انٹرنیشنل ایڈیشن

شب زیستم

(شعری مجموعہ)

معظمہ نقوی

انٹرنیشنل ایڈیشن

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں۔

ISBN : 978-627-7870-65-2

نام کتاب: شبِ زیستم

مصنفہ : معظمہ نقوی

سیمی سرورق اور تزئین: ام زینب

سرورق لے آؤٹ: سید ابرار گردیزی

سال اشاعت:2026

قیمت:-/1200روپے

Price : $10

زیر اہتمام: پریس فار پیس پبلی کیشنز

pressforpeacepublication@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

پچھلے پہر کی ڈھلتی چاندنی میں
لکھی ہے نقوؔی "شبِ زیستم"

انتساب

آگہی و معرفت رکھنے والی

تمام ارواح کے نام!

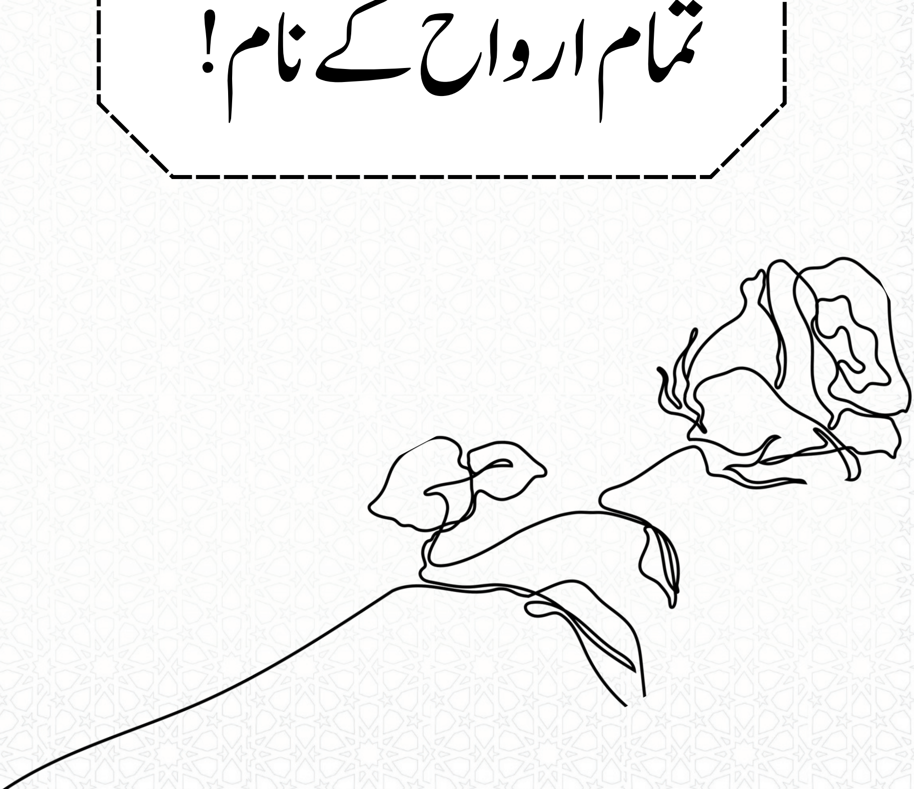

مقدمہ

نیند سے بوجھل آنکھیں جب ہجر کی ویران شبوں میں قریہ قریہ پھرتی ہیں تب ادراک کے دریچے سے الفاظ قرطاس کی جھولی میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں پھر اپنے لمس کی حدت کو روح میں اس طرح سرایت کرتے جاتے ہیں کہ ان کی تمازت سے کبھی " آخری بارش " کی صورت میں نہ تھمنے والی برسات ہوتی ہے تو کبھی سراب جیسی "شبِ زیستم" کی صورت یہ نمودار......یعنی اِک آگہی، شعورِ ہستی، فہم و فراست، یہ وحشتوں کے انمول ساتھی! قلم و قرطاس سے اِک عقیدت مند کا یہی کل سرمایا ہوتے ہیں۔

خیر اندیش:

معظمہ نقوی

+92 335 5147112

mozmanaqvi5@gmail.com

مظفر احمد مظفرؔ

پیش لفظ

”نظم“گردابِ تخیل میں صدفِ معنی کی تلاش و تخصیص (Customization) کا نام ہے۔ گویا ایک شعری تجربے اور وحدتِ خیال (Unity of thought) کا نقطہ ء ارتکاز Concentration poin ہے۔ نظمRhymed word شاعری کی اس قسم کو کہا جاتا ہے جو کسی ایک عنوان کے زیر اثر کسی ایک موضوع پر کہی جائے۔اس میں ہیئت یا اس صنف سخن کی شکلیات (Morphology)اور شناسیات (Taxonomy) کی کوئی مستقل قید نہیں ہوتی۔ یوں تو نظم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی 'لڑی یا دھاگے میں موتی پرونا' ہے۔

اصطلاح میں کسی مضمون، خیال یا مافی الضمیر کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کو نظم کہا جاتا ہے۔ یہ بحر اور قافیہ کی پابند بھی ہو سکتی ہے اور ان قیود سے آزاد بھی کہی جا سکتی ہے۔ نظم بہ اعتبار مفہوم پوری شاعری کو کہا جاتا ہے لیکن غزل اپنی ہیئت اور بناوٹ texture کے اعتبار سے اس زمرہ سے خارج رہتی ہے۔ نظم کی وجودیات Ontologyسے قطع نظر اگرچہ نظم کی

دیگر اصناف جیسا کہ حمد و نعت، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، سلام و نوحہ نظم کے زیر اثر اور اسی صنف کے متعلقات ہیں۔

اصناف شاعری کی اس صنف یعنی نظم میں جتنے بھی اسلوب موجود ہیں جیسا کہ حمد، نظم، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مخمس، مسدس، مثمن، قطعہ، نعت، سوائے گیت، دوہوں، اور سانٹو کو چھوڑ کر سب عربی اور فارسی سے مستعار لیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا اصناف شاعری میں سب سے زیادہ مقبول صنف غزل ہے جسے ہر خاص و عام نے پسند کیا اور پلکوں پر جگہ دی۔ با ایں ہمہ اردو شاعری کی سب سے وسیع صنف بہر حال اردو نظم ہی ہے۔ اردو نظم میں بہت زیادہ تجربات کیے گئے ہیں اور یہی اس کی وسعت کی علامت بھی ہے۔ نظیر اکبر آبادی، الطاف حسین حالیؔ، اکبر الہٰ آبادی اور اقبال، جوش ملیح آبادی، ساحر لدھیانوی، فیض احمد فیضؔ، علی سردار جعفری، ن م راشد، اسماعیل میرٹھی، نظم طباطبائی، اور جون ایلیا وغیرہ نظم کے بڑے شاعروں میں تسلیم کیے جاتے ہیں۔

اردو شاعری میں نظم کی صنف انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے دوران میں انگریزی ادب کے اثر سے پیدا ہوئی جو رفتہ رفتہ مکمل طور پر رائج ہو گئی۔ نظم بحر اور قافیہ میں بھی ہوتی ہے اور اس کے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔

اب نثری نظم بھی اردو میں مستحکم ہو گئی ہے۔ ہم اسے اپنے ہئیتِ اعتبار Haitian Credibility سے پہچانتے ہیں۔
بعض نظمیں ایسی ہیں جن میں ایک مضمون کو تسلسل سے بیان کیا جاتا ہے اور ایسی نظموں کا ایک مخصوص مرکزی خیال Main idea اور نقطہ ء نظر اصلاحی یا تنقیدی نوعیتCritical natureکا ہو سکتا ہے۔
ایسی نظمیں ہمیں نظیر اکبر آبادی و دیگر کے قلم سے اپنی پوری قوت اور حدت سے تخلیق کردہ ملتی ہیں۔ نظیرؔ اس میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو نظم نگاری سرزمین دکن کی مرہون منت ہے۔ یہیں سے اہل تصوف اور صوفیاء کرام نے نظم کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ دکن کی بہمن سلطنت نے اردو ادب کے گیسو شب گوں سنوارے۔
عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اردو ادب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قلی قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، ملا وجہی، غواصی، ابن شاطی وغیرہ سرزمین دکن کے مقبول اور ہر دل عزیز سخن طرازوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان خوش قسمت شاعروں اور ادیبوں کو اس عہد کے حکمرانوں کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی۔ خود سربراہانِ ریاست بھی شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

آغاز میں اردو نظم میں مثنوی رنگ غالب رہا۔ اس دور میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نظم کے مشہور شاعر تھے۔ آپ کی مشہور نظموں میں ''چکی نامہ''کو خاص شہرت حاصل ہے۔ عادل شاہی دور سلطنت میں تصوف مذہبی اور اخلاقی مضامین شاعری میں اکثریت سے نظر آتے ہیں۔ برہان الدین جانم کی ''حجت البقا''، ''وصیت الہادی''، ''بشارت الذکر'' مقبول اور اہم نظمیں ہیں۔ برہان الدی جانم کے مرید شیخ غلام محمد داول کے یہاں تصوف اور اخلاقی مضامین کی کئی نظمیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

''چہار شہادت''، ''کشف الا نوار'' اور ''کشف الوجود'' میں تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ قلی قطب شاہ کی شاعری اپنے موضوعات کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ آپ کی نظموں کے موضوعات اور عنوانات عوام الناس کی روزمرہ کی زندگی کی دھوپ چھاؤں معلوم ہوتے ہیں۔

اگر ہم نظم نگاری کے آغاز پر نظر ڈالیں تو اس دور کی نظموں میں موضوعات کے لحاظ سے بہت تنوع ملتا ہے۔ مذہبی خیالات، تصوف کے مسائل، حسن و عشق و مستی کا بیان اور سماجی زدگی کے رسومات، مناظر قدرت وغیرہ کو شاعری کا موضوع بنایا جاتا رہا ہے۔تب کی دکنی شاعری میں ہندوستانی تہذیب اور طرزِ معاشرت کے سبھی رنگ ملتے ہیں۔ ازاں بعد

نئے اسالیب کالبادہ اوڑھے جدید نظمیں منظر عام پر آئیں۔

نظیر کے بعد نظم نگاری کے مرد میدان محمد حسین آزادؔ اور مولانا الطاف حسین حالیؔ کو مانا جاتا ہے۔ ہر دو افراد نے عملی و فکری سطح پر نظم نگاری کو حیات نو عطا کی۔ انجمن پنجاب کے جلسوں میں دونوں فنکاروں کے خطبے نظم نگاری کے لیے چشمہء آب بقا کا درجہ رکھتے ہیں. ہندوستان میں مغرب سے متاثر ہوتے ہوئے نظموں کا آغاز بعد میں ہوا جس نے کارل مارکس کے نظریات کو بھی اپنے اندر اتارا۔

1930ء کے بعد تمام تر ادبی نظریات اور رویے جب تغیریات کی بھینٹ چڑھنے لگے تب آزاد اور نثری نظم نے نظم ہی کی کوکھ سے جنم لیا۔ آزاد نظم نے اردو نظم نگاری میں نئے افق کے ماتھے پر قوس قزح سجا دی۔

اس صنف میں جن صاحبان قلم نے اپنی ہنرمندی کو جو ہر دکھائے ان میں نمایاں مجید امجد، نذر محمد راشدؔ، شاء اللہ ڈارؔ،میراجی اور تصدیق حسین خالدؔ جیسے نام لیے جاسکتے ہیں۔ آزاد یا نثری نظم لکھنا اردو نظم کے حوالے سے بلاشبہ ایک جدید اور نیا تجربہ تھا۔ یہ اقدام کارآمد ثابت ہوایا بے سود،اس کا فیصلہ قارئین نظم کے صوابدید پر ہے۔ بہرکیف ایسی نظم میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار سہل پسندی اور آزادانہ طور پر کیا جاسکتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ نظم نگاروں نے زبان و بیان اور اظہار خیال کے باب میں کچھ ایسے تجربات کیے جس سے اردو ادب میں کئی قسم کی بحثوں نے جڑ پکڑ لی اور فکری سطح پر نئے اہداف بھی نظر آنے لگے۔ اردو نظم نگاروں نے جدیدیت کو فروغ دینے کی ٹھان لی اور نئے نظریات کو اپنی نظم کا موضوع بنایا اور موضوعاتی نظمیں لکھیں ۔ نئے نئے علائم اور رموز Signs and Symbols وضع ہونے لگے۔

اردو نظم کی خصوصیات میں ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ نظم مختصر ترین سے مختصر ترین اور طویل سے طویل ہو کر بھی اپنا آہنگ اور انفرادیت برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہمارے دور میں جن خواتین نظم نگاروں نے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ان میں ایک معتبر نام محترمہ عظمہ نقوی کا ہے جنہوں نے نظم کے وقار اور اس کی روایت کے ہر فکری اور تغیری تقاضوں کو سمجھا اور اس کے اظہار کے بھی قرینوں کو نبھاتے ہوئے اعلیٰ معیار اور قابل قدر نظمیں کہہ کر اپنی خداداد شعری صلاحیتوں کا لوہا منوا رہی ہیں۔ ان کی نظمیں دھڑکنوں کی صدائے بازگشت کا لامتناہی سلسلہ ہے جس میں خود شناسی کے قہقہوں کی گونج سے لے کر ناکام آرزوں کی دبی دبی سسکیوں اور سرد آہوں سے لے کر شب بیداری بھی پائے جاتی ہے اور بیقرار و زخم خوردہ روح کے ماتم کدہ کی بے نام مگر سچی کہانیاں بھی سانس لے رہی ہیں۔

معظمہ کی نظموں میں ایک جانب جدیدیت کے سورج کا سرمئی اجالا پایا جاتا ہے اور دوسری طرف قدیم اسلوب اظہار کی پرچھائیاں بھی رقص کناں ہیں۔ جو انھیں اپنی جداگانہ پہچان سے سنوارتی بھی ہیں اور ان کے ہتھیلیوں پر انفرادیت پسندی کی مہندی بھی لگاتی ہیں۔ آپ کی نظموں میں درس روحانیت سے لے کر درس عبرت تک کے سبھی جاں گسل مراحل سے نقاب کشائی کا اہتمام وجود ہے۔ نظموں کے تسلسل میں انسانیت کا دکھ اور اجتماعی معاشرتی بے حسی کا نوحہ بھی پایا جاتا ہے نیز آفتابِ رجائیت Optimism کی روشن کرنیں بھی ان کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

آپ کی فکر بلیغ اور آفاقی نوعیت کی ہے یہی وجہ ہے کہ کلام میں کہیں کہیں آہووانِ فکر وخیال فصیل جذبات سے سر پٹختے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور کہیں بادہ ء کیف و سرمستی سے سرشار و بدمست نظر آتے ہیں۔ معظمہ نے کلاسیکی نظم کو نئی معنویت سے آشنا کرنے کے کامیاب تجربے کیے ہیں۔

اوران کے یہاں موضوع کے انتخاب، رومان پرستی اور ہیجان پروری کا دلچسپ امتزاج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مخصوص علائم اور لفظیات کے ساتھ روئے زندگی کی عکاسی آپ کا ہنر ہے جس میں موضوعِ بحث موضوعات کے لیے تشبیہات اور استعاروں کے نئے معنوی زاویے نکالے گئے ہیں۔

آپ کے نزدیک روایتی شاعری اب بھی از کارِ رفتہ نہیں ہے۔
آپ قدیم و جدید مبہم علامتوں اور استعاروں کے باوجود کلام میں وہ کیفیت اور سراسیمگی پیدا کرنے پر قادر ہیں جس سے تخلیقی سطح پر عصری مسائل، ابہام گزیدگی، زمانے کی بے مروتی، منافقت، بے گانگی، منافرت اور سفاکی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔
آپ کی نثری اور آزاد نظموں، آزاد غزلیات و آزاد قطعات و اشعار کا یہ قابلِ تحسین مجموعہ شائقینِ سخن کے لیے سوغاتِ سخن سے کسی صورت کم نہیں ہے۔ میں اس شاہکار پر عمیقِ دل سے ہَدیہ تَبرُیک پیش کرتا ہوں۔

ناخدائے سخن
رئیس المتغزلین
استاذ لشعراء
نازش اردو
نشانِ قمر
مظفر احمد مظفؔر

ڈاکٹر ممتاز منور (پونے)

معظمہ نقوی کی شبِ زیستم

معظمہ نقوی صاحبہ اعلیٰ تعلیم یافتہ باشعور اور باصلاحیت خاتون ہیں۔ آپ کا تعلق ایک باپردہ اور مذہبی خاندان سے ہے۔ جہاں سوائے دینی اور مذہبی کتابوں کے دوسری کتابوں کا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ آپ کو بچپن سے ہی لڑکیوں والے کوئی شوق نہیں تھے جیسے گڑیوں سے کھیلنا رنگ برنگی کپڑے پہننا سجنا سنورنا وغیرہ بلکہ بچپن سے ہی آپ کو لکھنے کا بہت شوق تھا۔ لکھنے کی یہ خداداد صلاحیت آپ کے اندر اتم درجہ موجود تھی۔ آپ اپنا لکھا ہوا صرف اپنی اکلوتی سکھی کو دکھاتی۔ جو آپ کی بے پناہ حوصلہ افزائی کرتی۔ اپنی تخلیقات کو منظر عام پر لانے کی آپ کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے اُس نے آپ کو ایک ایسے شریک حیات سے نوازا جس نے نہ صرف آپ کی تحریری صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اسے منظر عام پر لانے میں ہر ممکن کوشش اور مدد کی۔ آپ کا پہلا انتخاب شعری مجموعہ ”کفِ دست“ شائع ہوا دوسرا نعتیہ اور مرثیہ کا انتخاب مجموعہ ”مؤدت نامہ“ کے نام سے شائع ہوا۔

آپ کی تخلیقات عالمی جرائد اور رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں اِن کو یکجا کر کے ”نوائے نقوی“ کے نام سے شائع کیا۔ اور اس کے بعد پہلا شعری مجموعہ ”آخری بارش“ کے نام سے شائع ہوا۔ آپ اردو کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان میں بھی شاعری کرتی ہیں۔ یہ بات بھی باعثِ مسرت ہے کہ آپ کی تخلیقات پر کئی یونیورسٹیز میں تحقیقی کام جاری ہے۔ بقول آپ کے

”ایک آرزو ہے کہ ایسا کام کر جاؤں کہ ادب کے سمندر میں ایک لازوال قطرہ بن کر امر ہو جاؤں“۔

زیرِ نظر کتاب جس کا نام ہے ”شبِ زیستم“ یعنی ”میری زندگی کی رات“ اس کا انتساب بھی بہت خوبصورت اور گہرا ہے.

”آگہی اور معرفت رکھنے والی تمام ارواح کے نام“

اس کتاب میں آزاد حمد، نعت، منقبت، نظم، آزاد غزلیات اور آزاد قطعات و اشعار شامل ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں آزاد طرزِ سخن اپنایا ہے۔ جیسے کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ شاعرہ نے اپنی زندگی کے مختلف تجربات و مشاہدات کو نہایت خوبصورت ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔

بقول ساحر لدھیانوی:

دُنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

کتاب کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے:

”اے مالکِ ارض وسماء
ہے تو ہی سچا بادشاہ
ہے تجھ سے میری التجاء
کر دور ہر رنج وبلا“

عقیدت سے بھرپور نعت کے اشعار ملاحظہ کریں:

”اے سرکارِ سرورِ دو عالم ﷺ
آپ پر ہوں کروڑوں درود و سلام“

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیھا کی منقبت میں فرماتی ہیں۔

”توحید کی وہ اول حامی
رسالت کا پہلا اقرار کرنے والی“

اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں لکھتی ہیں:

”جس کو شیر یزداں کہا، وہ ہے علی“

مرثیہ خوانی میں بھی آپ کا کلام لاجواب ہے:

سہ روز کے پیاسے پہ صبر کی
کیسی وہ گھڑی تھی
کبھی کاندھوں پہ اٹھائی
اٹھارہ برس کے جواں کی نعش
کبھی سینے سے لگا کر دفنائی
چھ ماہ کے کمسن کی نعش"

آپ کی آزاد نظموں کے عنوانات بھی کافی دلچسپ ہیں جیسے:

کاش، نصیب، چاند نگر میں، ہیر، گونگی حسرت، جشنِ بہاراں، معجز نما، سکوت، خواہش وغیرہ۔کچھ نظموں کے عنوانات انگریزی میں بھی ہیں:

Special day, I am sure, Predominant, ...

نظم ”کاش“میں اپنی انوکھی خواہش کا اظہار فرماتی ہیں:

کاش ہم دو پنچھی ہوتے
گمنام سفر پر ساتھ ہوتے
کھلے گگن میں اٹکھیلیاں کرتے
تھک کر جب چور ہوتے
تو ایک دوجے کے حصار میں
چین سے سوتے

یہ بھی ملاحظہ کریں......

سُنا ہے اُس کے شہر میں جشنِ بہاراں ہے
اب تو پھول بن کر مہکا ہو گا

اپنی بے بسی اور بیچارگی کا اظہار وہ اس طرح کرتی ہیں:

خاموشی کا روزہ کون کھولے گا
جُدائی میں آ کے کون بولے گا

ان نظموں میں شاعرہ کے دل کا کرب اور قید سے رہائی کی تمنا کا اظہار ہوتا ہے:

آپ کی آزاد غزلیات کے چند اشعار:

سچ تو اب سرِ نگوں ہوا نقوی
جھوٹ کا آج بول بالا ہے

اپنے انتسابِ زیست کے حوالے سے فرماتی ہیں:

نقوی کا انتساب ہے اُس شخصیت کے نام
رکھا ہے جس نے دل کا صحیفہ پناہ میں

اور یہ شعر بھی ملاحظہ کریں:

زیست اپنی گزاری ہے ایسے
مفلس کے گھر آئی ہو عید جیسے

اور یہ طرزِ سخن بھی ملاحظہ ہو:

رہی جن کی آشنائی ہم سے کبھی
حسرت بن گئی اب تو ان کی دید کی گھڑی اور
روشن تھے میری آنکھوں میں ہر سُو چراغِ شوق
ہستی سَراب تھی تِرا ملنا یقین تھا

محبت میں جدائی کا غم بہت دردناک ہوتا ہے اس جذبے کو شاعرہ نے نہایت خوبصورت اور لطیف انداز میں اپنے اشعار میں ڈھالا ہے۔

تھا ہجر کا سفر بہت سخت مگر
تیرے ہجر نے مجھ کو چلنا سکھا دیا

اور یہ بھی کہ:

چراغ کی لَو بجھنے تک اے ہم سفر
مجھے صرف ساتھ تیرا چاہیے

اگر اس جدائی میں موسم باراں بھی آ جائے تو درد دُگنا ہو جاتا ہے اس کے اظہار کا انداز دیکھیے:

بارشوں کے موسم عجیب ہوتے ہیں
خوشبو بن کے درد دیے جاتے ہیں

آپ کی اپنی ماں سے عقیدت اور محبت کا اظہار وہ فرماتی ہیں:

ماں تیرے دور جانے کا غم کیا بتاؤں
تیری جدائی سے ٹوٹے جو ستم کیا بتاؤں

اور

تیری یاد بھی عجب درد ہے
جب چھڑتی ہے آہ نکلتی ہے

آپ کی چھوٹی چھوٹی اور معصوم آرزوؤں کا بھی جواب نہیں وہ کہتی ہیں......

ایک مدت سے ہے میرے دل میں آرزو
میرے آنگن میں بھی آ کے بہار ٹھہرے

مجموعی طور پر ایک بیدار مغز درد آشنا اور حساس دل کا کلام ہے۔ نسوانی مجبوریوں کو آپ نے نہایت ہی پُر اثر انداز میں بیان کیا ہے آپ کا کلام نسوانی جذبات واحساسات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے اس کتاب کے مطالعے سے کوئی بھی قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ کے اس پانچویں مجموعے کی اشاعت پر میں دل کی گہرائی سے مبارکباد پیش کرتی ہوں اور باری تعالی کے حضور دعا گو ہوں۔

"اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔"

ڈاکٹر ممتاز منور

صدر انجمن ترقی اردو ہند، پونے

شبِ زیستم کی شاعرہ...... معظمہ نقوی

نیلما ناہید درانی

معظمہ نقوی کا تعلق جنوبی پنجاب سے ہے۔ یہ علاقہ اس لحاظ سے ذرخیز ہے کہ یہاں بہت سی قد آور ادبی شخصیات نے جنم لیا اور ان کا مسکن رہا۔ شاعر اہل بیت محسن نقوی کا تعلق بھی ڈیرہ غازی خان سے تھا...... گو ان کی زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزرا اور لاہور میں ہی انھوں نے شہادت پائی۔

معظمہ نقوی کی کئی کتابیں چھپ کر ادبی منظر نامے پر آچکی ہیں۔ ایک کتاب ان کی نثری تخلیقات پر مشتمل ہے...... اور دوسری منظوم شعری مجموعہ ہے۔ جس کا نام نہایت پُر کشش اور معنی خیز ہے۔ اور دو کتابیں ان کی مختلف اصناف شاعری کا انتخاب ہیں۔

مجھے نئی نسل کے ان نوجوانوں پر فخر ہے جو نصابی علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ...... ادب، صحافت اور کتاب سے اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔

معظمہ نقوی بھی ایسی ہی نوجوان نسل کی نمائندہ ہیں جو اردو ادب کی آبیاری کر رہی ہیں۔

سادات سے نسبت انھیں اپنے اجداد سے ملی۔ شہر علم اور باب علم علیہ السلام سے محبت و مؤدت کا خمیر عالمِ ارواح سے ملا...... جس کے عکس کی جھلک ان کے حرفوں و لفظوں سے واضح محسوس ہوتی ہے۔

شاعری کا پہلا درس اساتذہ کے کلام کا مطالعہ اور علم عروض کا حصول ہوتا ہے۔ معظمہ نقوی بھی ایک کہنہ مشق سخن ہیں...... اُن کی نظمیں نہایت عمدہ اور فکری سطح پر وسعت رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری میں جدت کی آمیزش ہے۔ دیگر اصناف میں طبع آزمائی کر کے اُنھوں نے اپنے تجربات و تخیلات کو جِلا بخشی ہے۔

"شبِ زیستم" سے ان کا ایک شعر ملاحظہ:

مدت سے جس کا نام تھا دل پر لکھا ہُوا
دستک دیے بغیر مرے گھر میں آگیا

میری دعا ہے کہ معظمہ کو مزید تاثیر کی نعمت حاصل ہو۔

خیر اندیش

نیلما ناہید درانی

آزاد نظم

مناجات بحضورِ یزداں

اے مالکِ ارض و سماء
ہے تُو ہی سچا بادشاہ
ہے تجھ سے میری التجاء
کر دُور ہر رنج و بلاء
تیرے سوا نہیں آسراء
تُو خالق و مولا میرا
مجھ پر کرم کر اے خدا
بَصدقہِ مشکل کشاءؑ

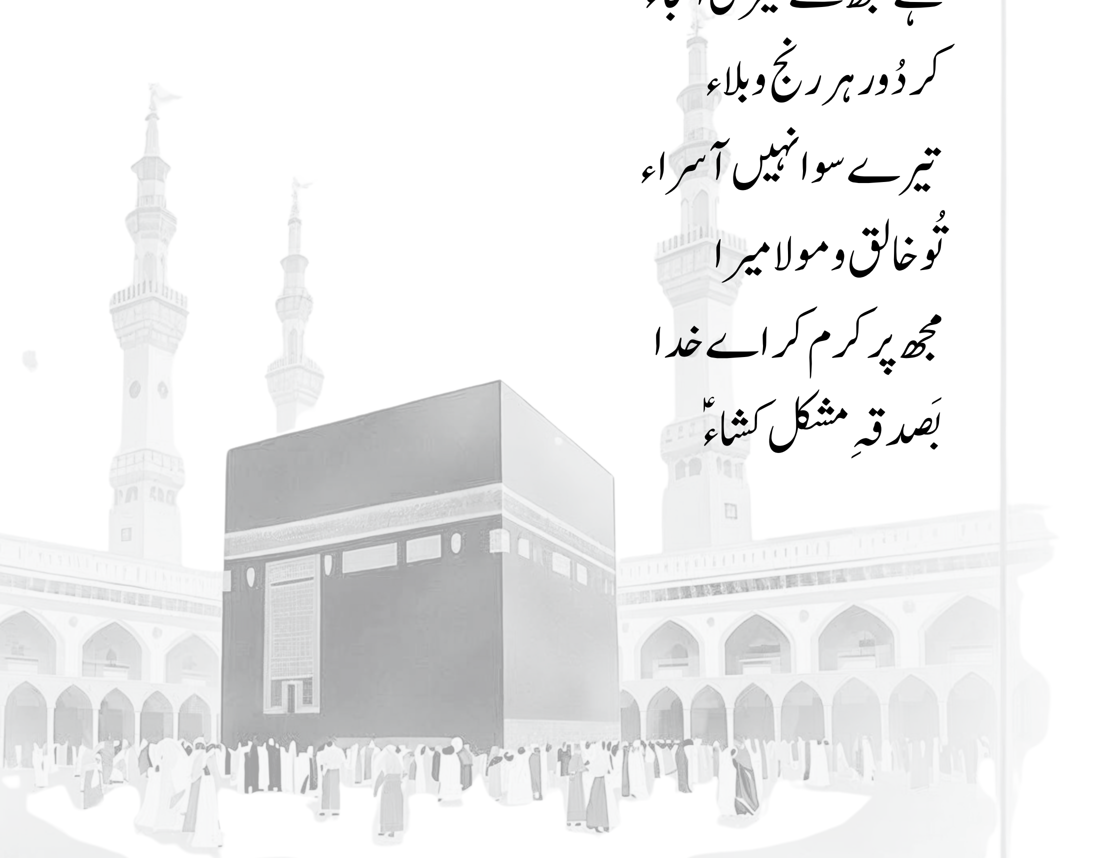

تُو ہی حالتوں کا علیم ہے
تُو رحیم ہے تُو کریم ہے
پنجتنؑ پاک کے صدقے میں
میری روح کو تُو سنوار دے
مری نسلوں میں تُو اے خدا
دے مؤدتِ خاکِ شفاء
نقویؔ کو ایسے تُو قرار دے
اِسے عشقِ حیدرِ کرارؑ دے
مجھے عشقِ حیدرِ کرارؑ دے!

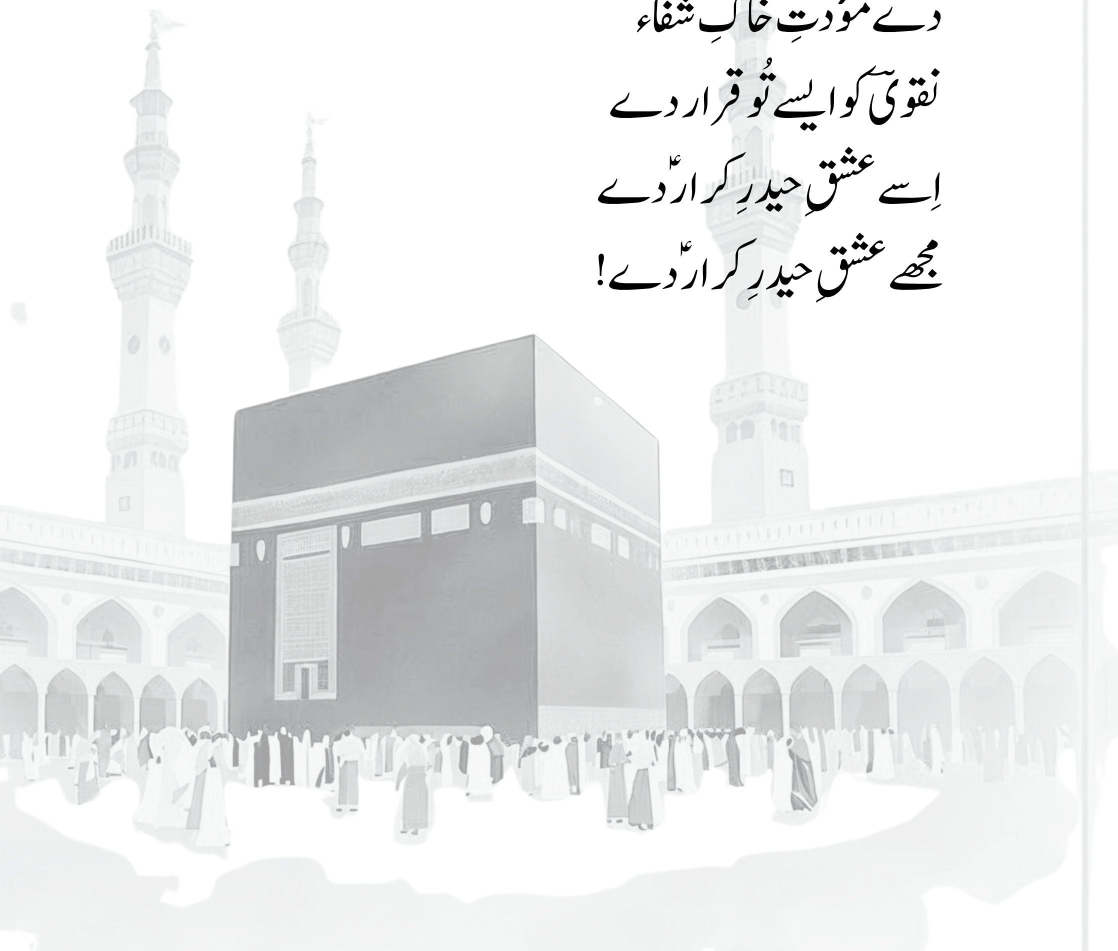

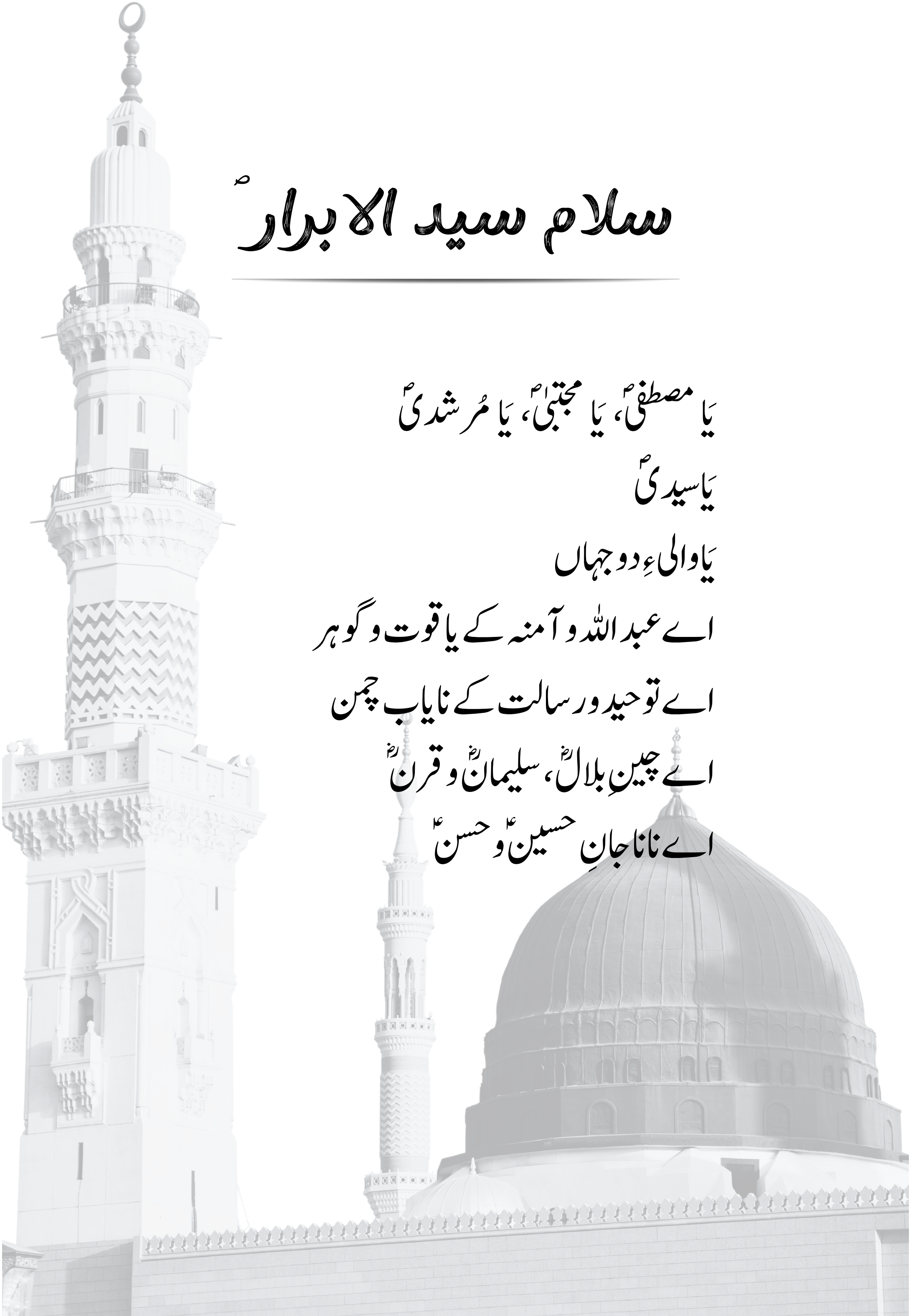

سلام سید الابرار ﷺ

یَا مصطفیٰ ﷺ، یَا مجتبیٰ ﷺ، یَا مُرشدی ﷺ

یَاسیدی ﷺ

یَاوالیٔ دو جہاں

اے عبد اللہ و آمنہ کے یاقوت و گوہر

اے توحید و رسالت کے نایاب چمن

اے چینِ بلالؓ، سلیمانؓ و قرنؓ

اے نانا جانِ حسینؑ و حسنؑ

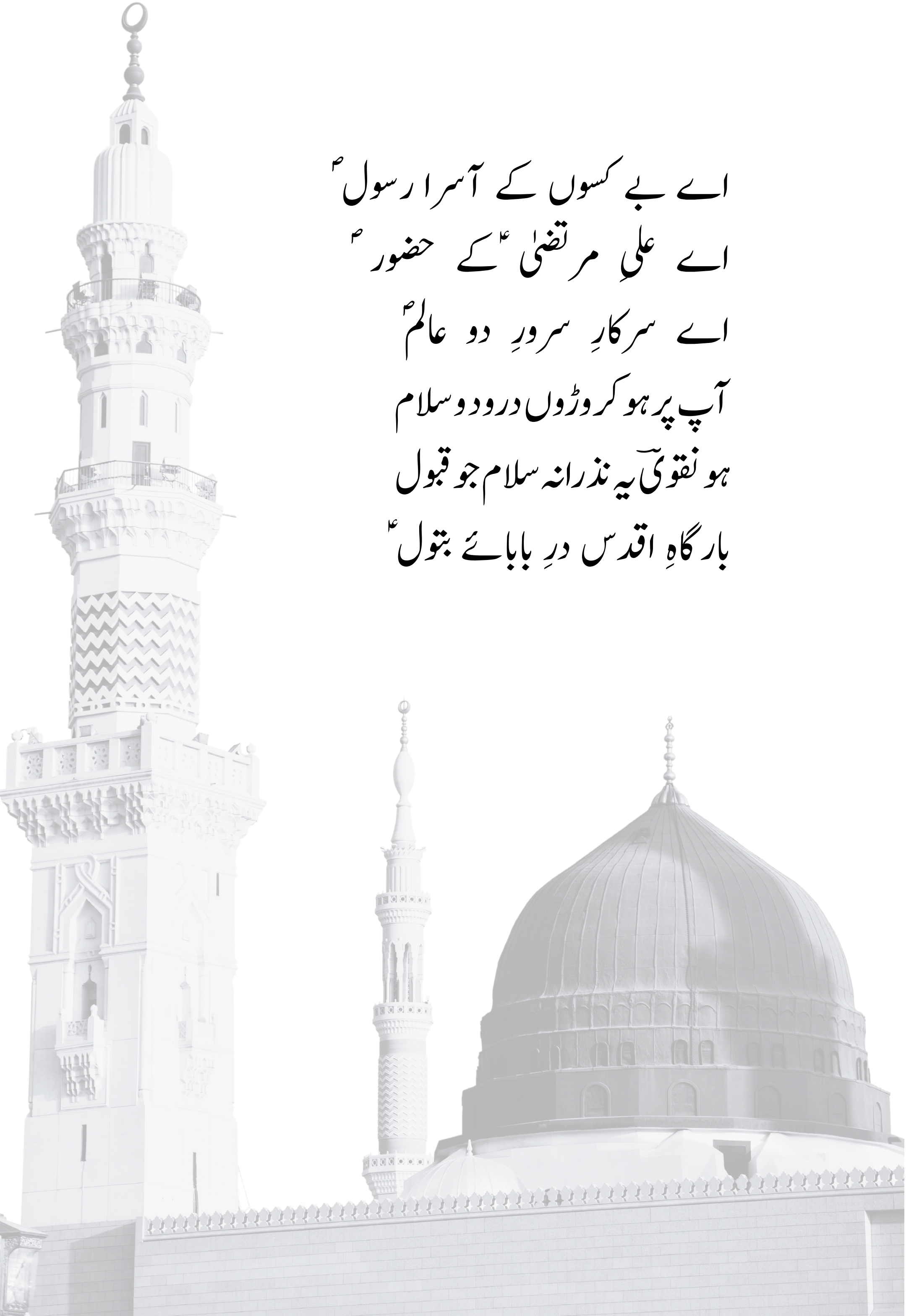

اے بے کسوں کے آسرا رسولؐ
اے علیِ مرتضیٰؑ کے حضورؐ
اے سرکارِ سرورِ دو عالمؐ
آپ پر ہو کروڑوں درودو سلام
ہو نقویؔ یہ نذرانہ سلام جو قبول
بارگاہِ اقدس درِ بابائے بتولؑ

مادرِ سیدہ سلام اللہ علیہا

توحید کی وہ اول حامی

رسالت کا پہلا اقرار کرنے والی

وہ مومنہ زادیؐ

ملیکۃ العرب
نساءِ معظمہؐ

جنابِ صدیقہ طاہرہ

زوجہ اول

سرکارِ دوعالمؐ

شرف بخشا ہے یہ خدا نے ان کو

بنایا خاتونِ جنتؑ کی بھی ماں ہے ان کو

ورثے میں ملے ان کو نواسے ہیں

حسنینؑ سے

ہیں بارہ کے بارہ ہی بیٹے

امامؑ اِن کے

فاخرہء کونین ہیں شاد

جن سے

ہے ربِ جہاں کو بھی ناز

اِس گھرانے پہ

نہج البلاغہ کے خالقؑ کے نام

مولائے کائنات ہے جو ذات وہ علیؑ
مومن و منافق کی پہچان ہے علیؑ
سیدانِ جنت کے باپ اور پیشوا علیؑ
حق و باطل میں اِک ہی تمیز ہے علیؑ

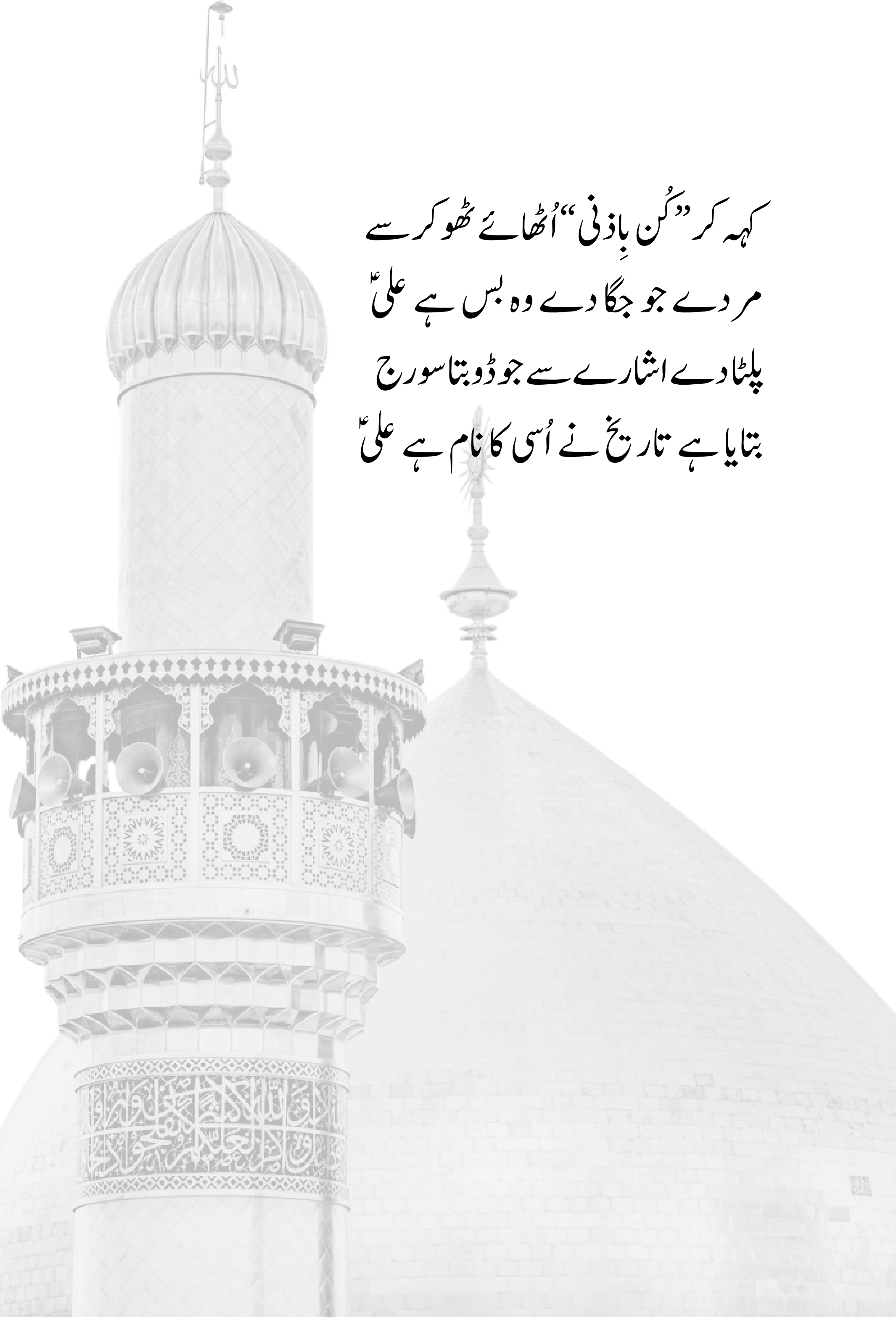

کہہ کر ”کُن بِاذنی“ اُٹھائے ٹھوکر سے
مردے جو جگا دے وہ بس ہے علیؑ
پلٹا دے اشارے سے جو ڈوبتا سورج
بتایا ہے تاریخ نے اُسی کا نام ہے علیؑ

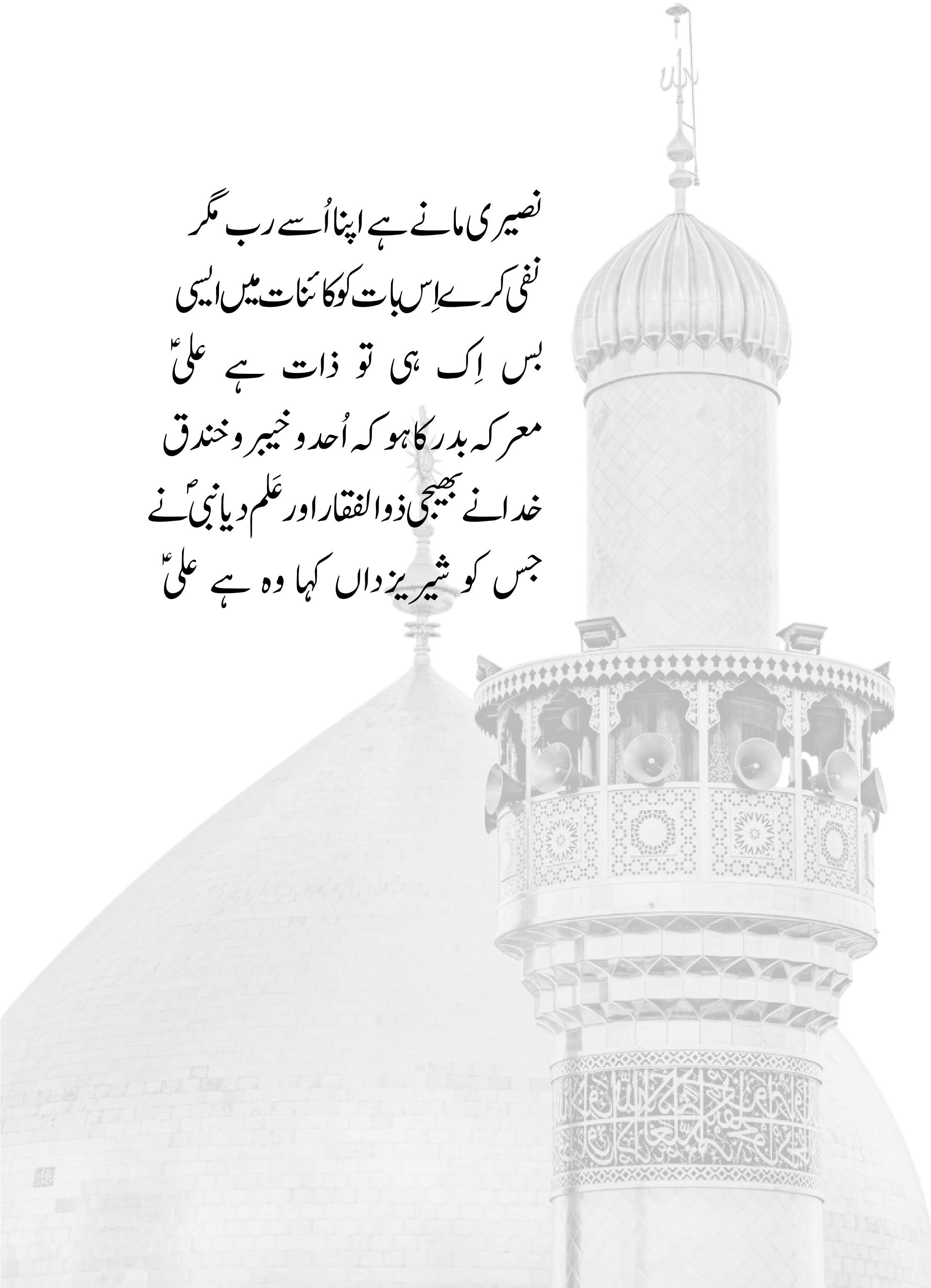

نصیری مانے ہے اپنا اُسے رب مگر
نفی کرے اِس بات کو کائنات میں ایسی
بس اِک ہی تو ذات ہے علیؑ
معرکہ بدر کا ہو کہ اُحد و خیبر و خندق
خدا نے بھیجی ذوالفقار اور عَلم دیا نبیؐ نے
جس کو شیر یزداں کہا وہ ہے علیؑ

اک شب سو کر خرید لے جو مرضی معبود کو
کہتے ہیں سب زمانے میں اُسی کو وہ ہے علیؑ
مَن کُنت مولا جب بولے نبیؐ غدیرِ خم میں
گونج اٹھی تھی صدا چار سُو علیؑ مولا ہے علیؑ
اَبد تلک ہے فقط جس کا لقب امیر المومنینؑ
ہے ابو تُرابؑ وہ ذات بس ہے علیؑ
رجب کی تیرہ کو بتاتی ہے شق دیوارِ کعبہ

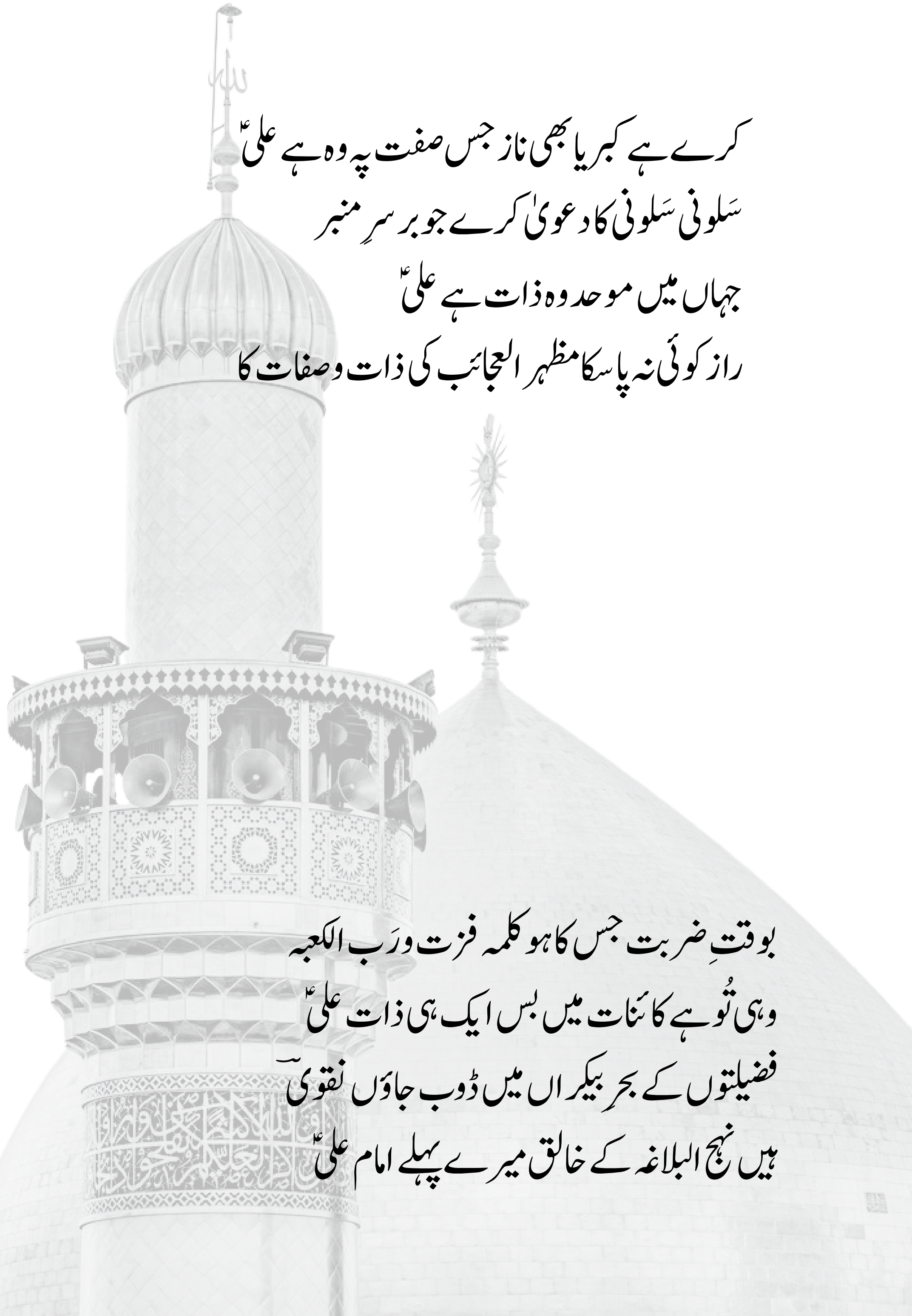

کرے ہے کبریا بھی ناز جس صفت پہ وہ ہے علیؑ
سَلونی سَلونی کا دعویٰ کرے جو برسرِ منبر
جہاں میں موحد وہ ذات ہے علیؑ
راز کوئی نہ پا سکا مظہر العجائب کی ذات و صفات کا

بوقتِ ضربت جس کا ہو کلمہ فزت ورَب الکعبہ
وہی تُو ہے کائنات میں بس ایک ہی ذات علیؑ
فضیلتوں کے بحرِ بیکراں میں ڈوب جاؤں نقویؔ
ہیں نہج البلاغہ کے خالق میرے پہلے امام علیؑ

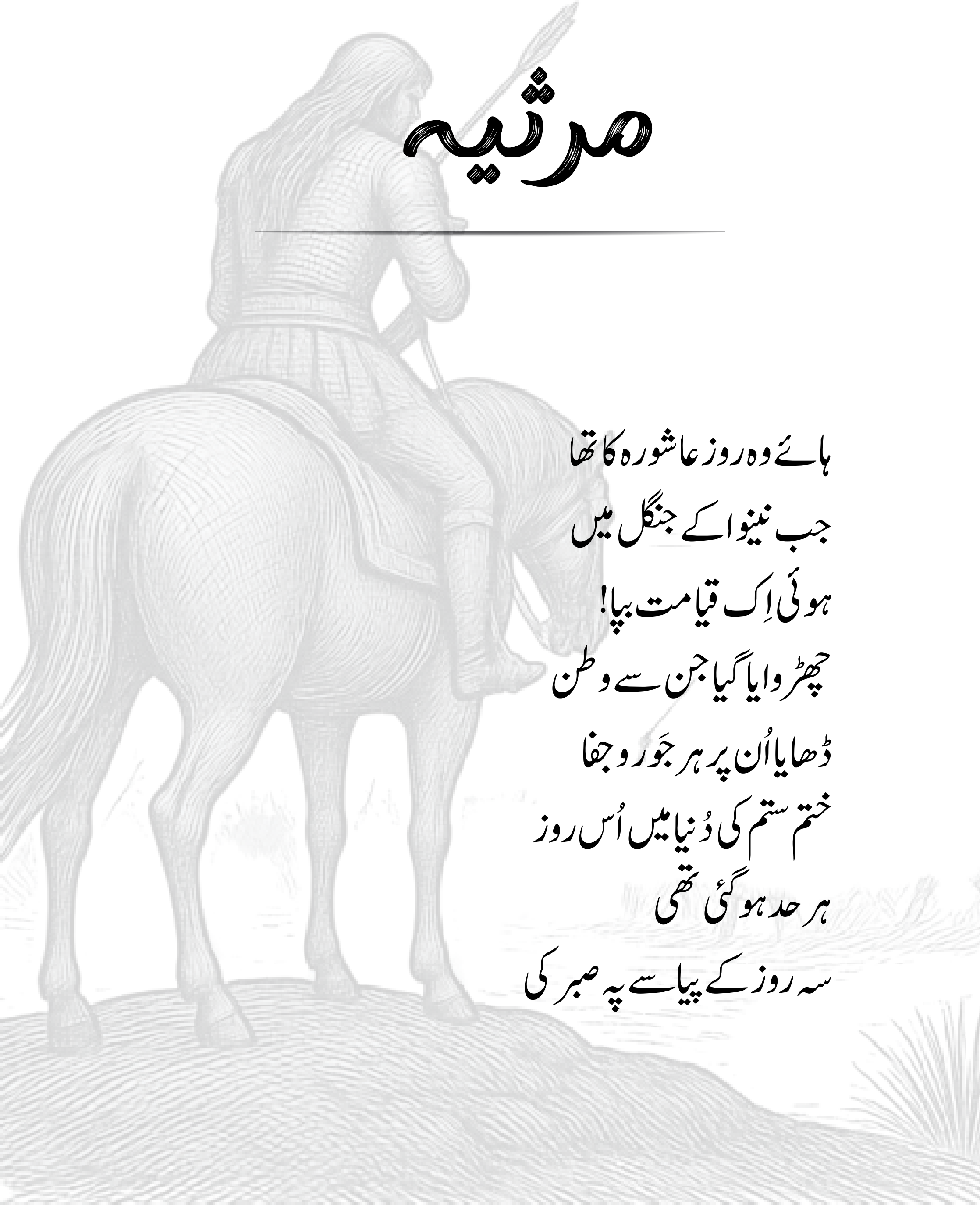

مرثیہ

ہائے وہ روزِ عاشورہ کا تھا
جب نینوا کے جنگل میں
ہوئی اِک قیامت بپا!
چھڑوایا گیا جن سے وطن
ڈھایا اُن پر ہر جَور و جفا
ختم ستم کی دُنیا میں اُس روز
ہر حد ہو گئی تھی
سہ روز کے پیاسے پہ صبر کی

کیسی وہ گھڑی تھی
کبھی کاندھوں پہ اُٹھائی
اٹھارہ برس کے جواں کی نعش
کبھی سینے سے لگا کر دفنائی
چھ ماہ کے کمسن کی نعش
غم یہ بھی سبطِ پیغمبرؐ کے
قلب و جگر پہ تھا ٹوٹا
اَخی ایسا بھی کھویا!
جو تھا زورِ کمر و بازو

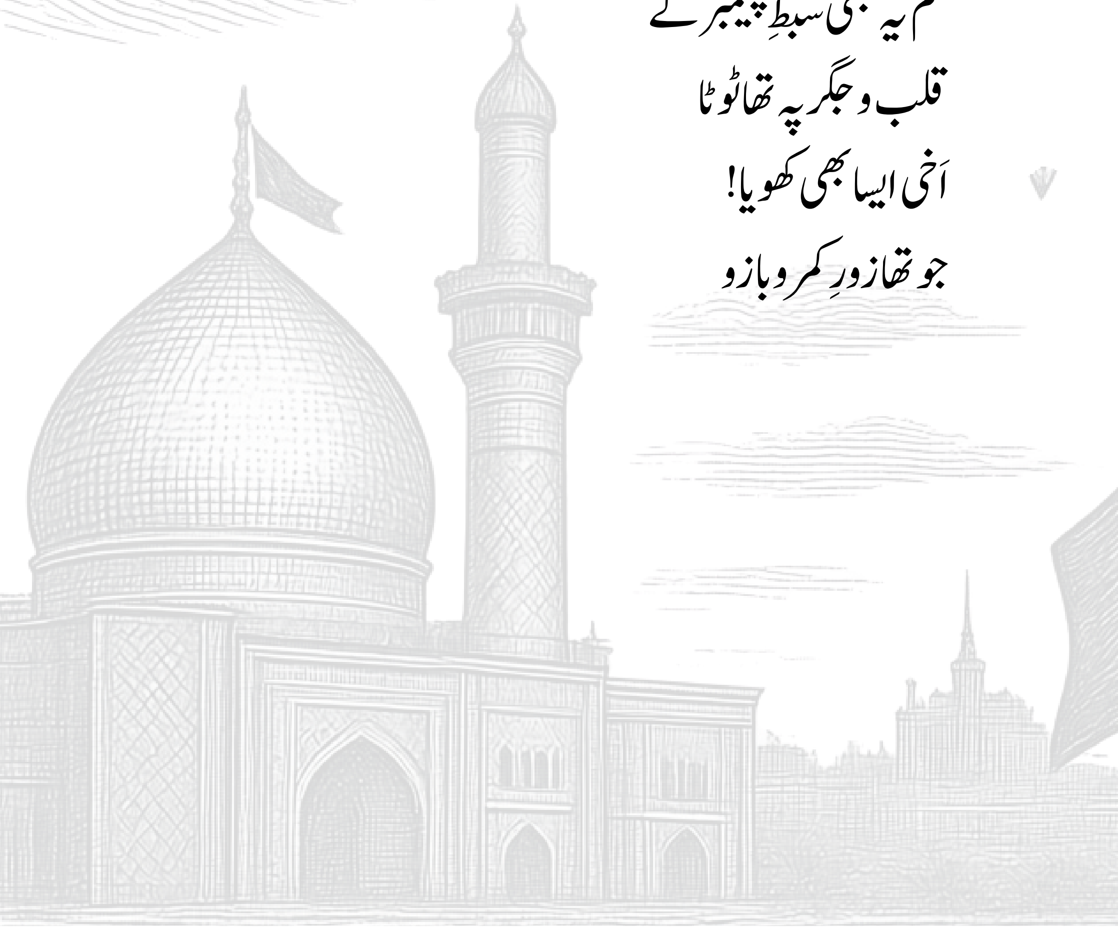

اذانِ فجر کی شبیہ پیغمبرؐ سے لے کر بوقتِ عصر
آخری سجدے تک ہوئی
جتنی ستم کی، وہ تمام بارشیں
ہائے افسوس!
وہ تو سب کم تھیں لعینوں
کے واسطے......
ابھی تو خیام گاہ میں آگ
لگانا تھی باقی
اور شامِ غریباں بھی
آنا تھی باقی

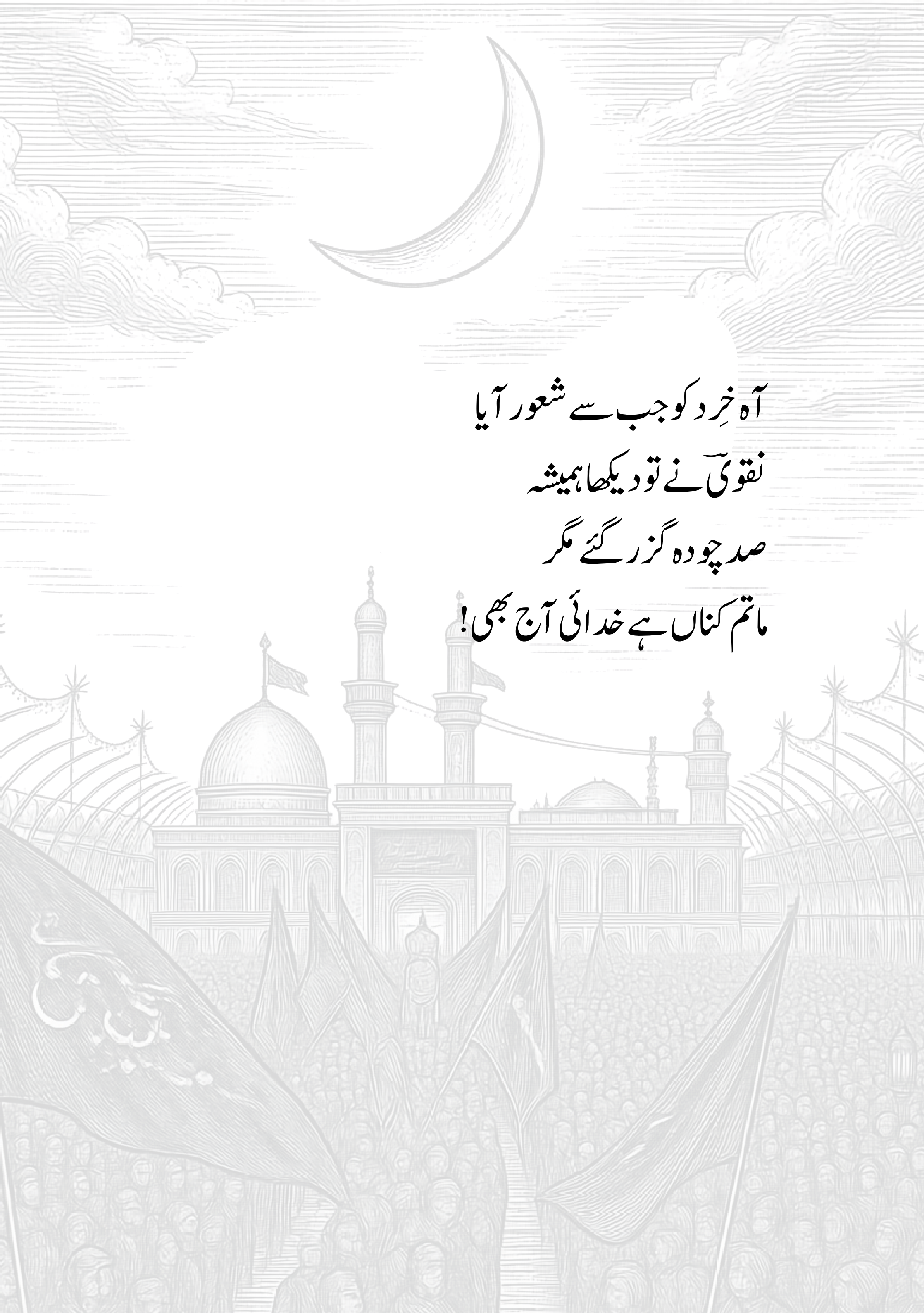

آہ خِرد کو جب سے شعور آیا
نقویؔ نے تو دیکھا ہمیشہ
صد چودہ گزر گئے مگر
ماتم کناں ہے خدائی آج بھی!

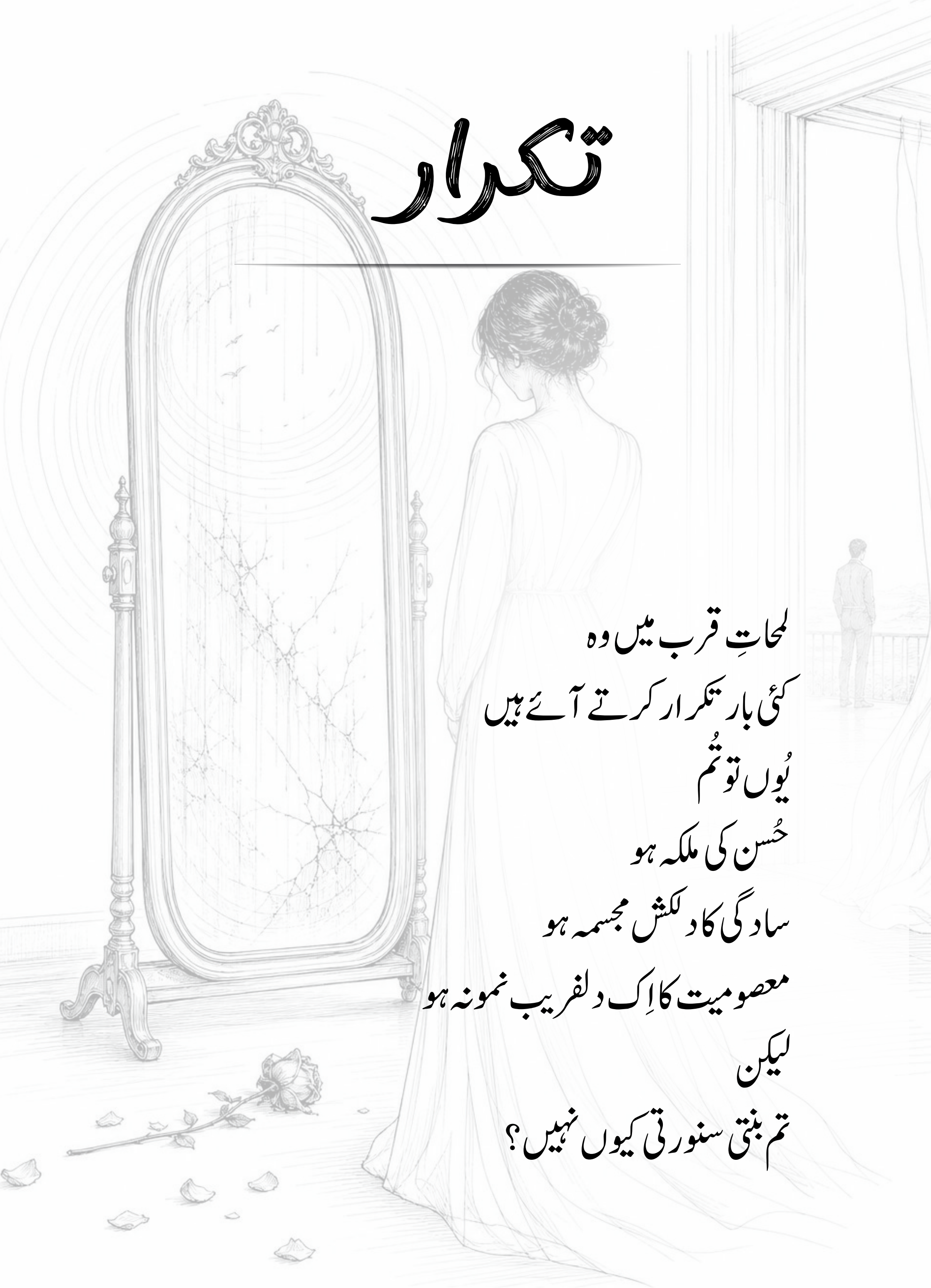

تکرار

لمحاتِ قرب میں وہ
کئی بار تکرار کرتے آئے ہیں
یُوں تو تُم
حُسن کی ملکہ ہو
سادگی کا دلکش مجسمہ ہو
معصومیت کا اِک دلفریب نمونہ ہو
لیکن
تم بنتی سنورتی کیوں نہیں؟

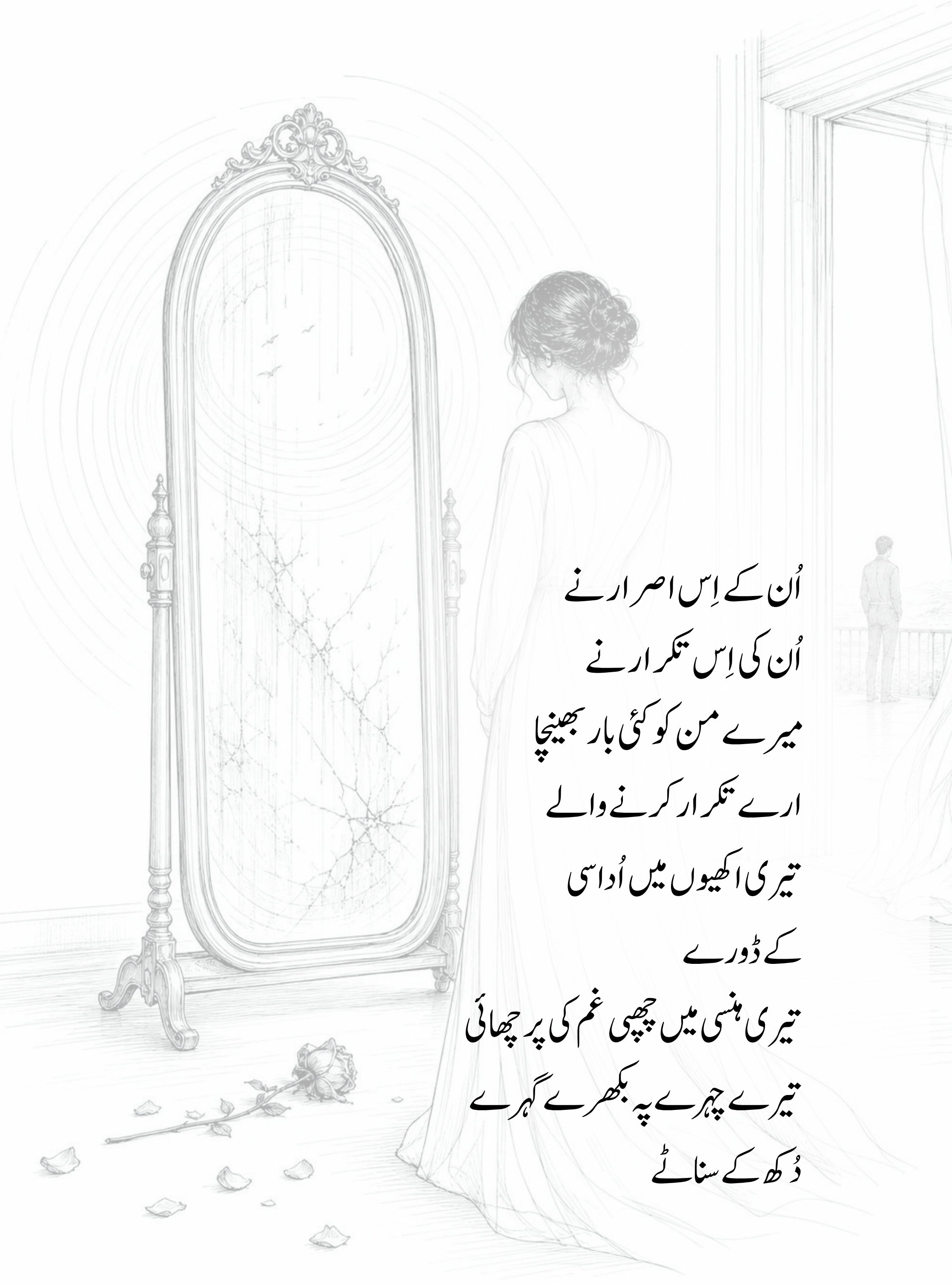

اُن کے اِس اصرار نے
اُن کی اِس تکرار نے
میرے من کو کئی بار بھینچا
ارے تکرار کرنے والے
تیری اکھیوں میں اُداسی
کے ڈورے
تیری ہنسی میں چھپی غم کی پرچھائی
تیرے چہرے پہ بکھرے گہرے
دُکھ کے سناٹے

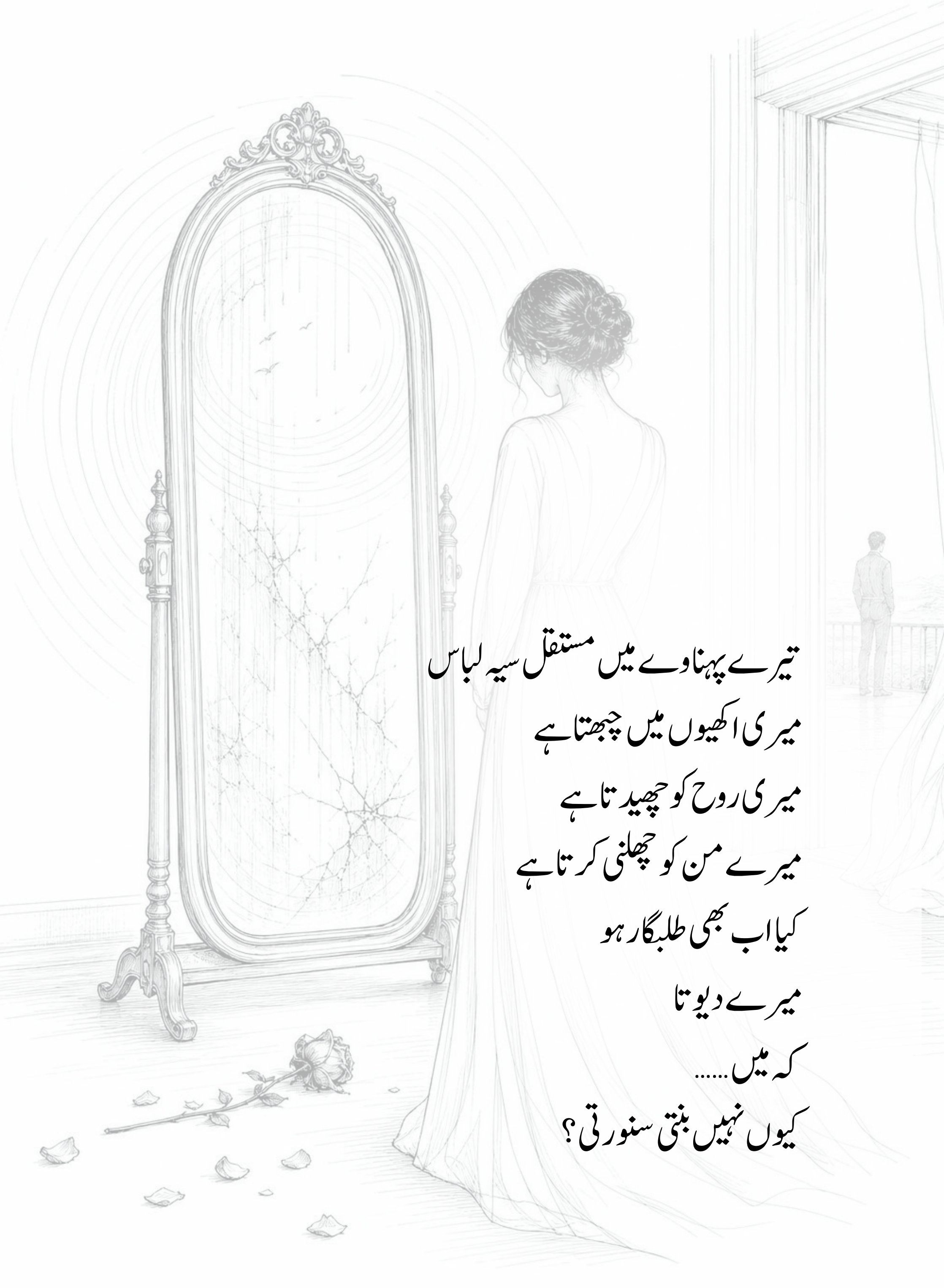

تیرے پہناوے میں مستقل سیہ لباس
میری اکھیوں میں چبھتا ہے
میری روح کو چھیدتا ہے
میرے من کو چھلنی کرتا ہے
کیا اب بھی طلبگار ہو
میرے دیوتا
کہ میں......
کیوں نہیں بنتی سنورتی؟

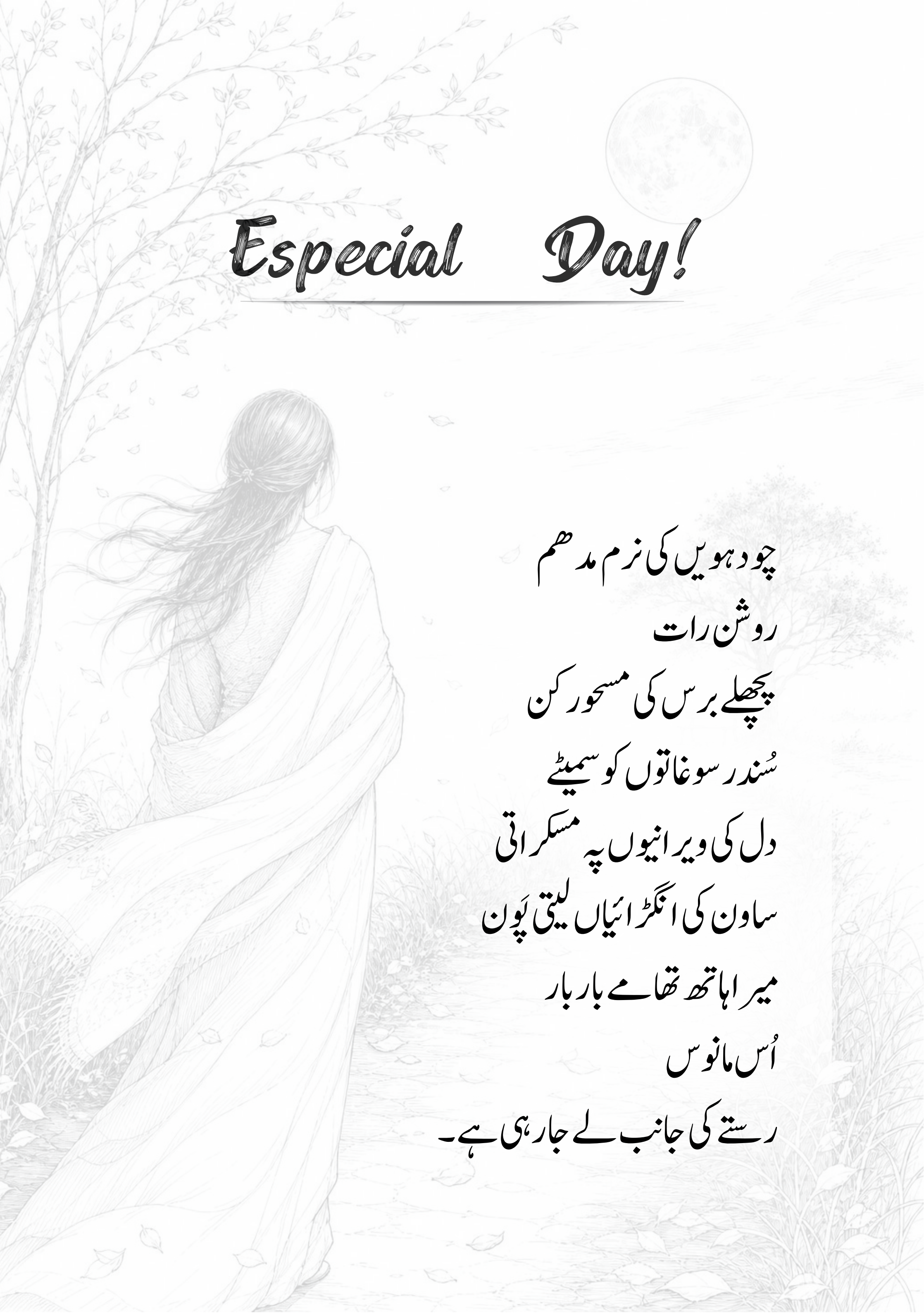

Especial Day!

چودھویں کی نرم مدھم

روشن رات

پچھلے برس کی مسحور کن

سُندر سوغاتوں کو سمیٹے

دل کی ویرانیوں پہ مسکراتی

ساون کی انگڑائیاں لیتی پَون

میرا ہاتھ تھامے بار بار

اُس مانوس

رستے کی جانب لے جا رہی ہے۔

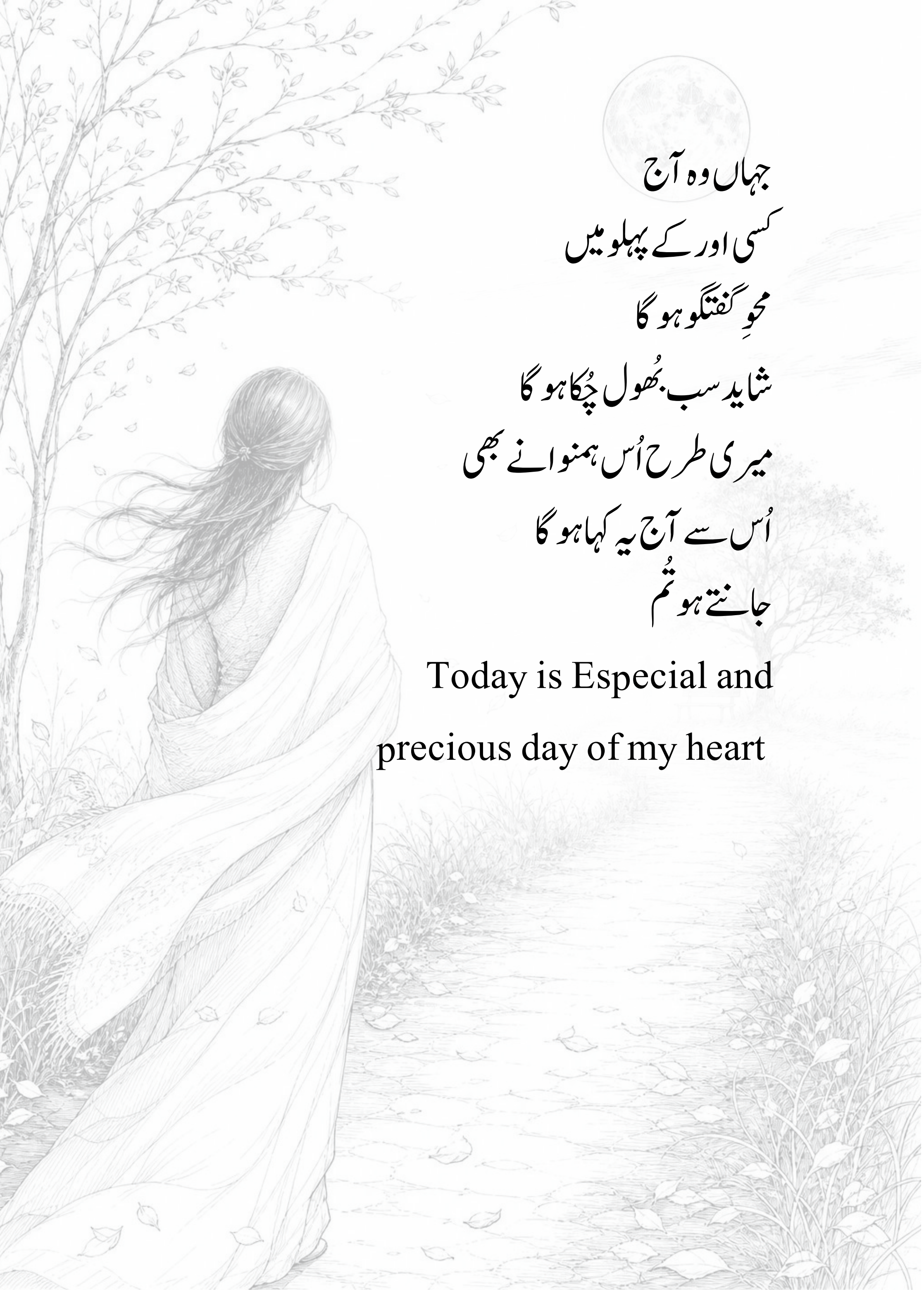

جہاں وہ آج
کسی اور کے پہلو میں
محوِ گفتگو ہو گا
شاید سب بُھول چُکا ہو گا
میری طرح اُس ہمنوا نے بھی
اُس سے آج یہ کہا ہو گا
جانتے ہو تُم

Today is Especial and
precious day of my heart

تسلی

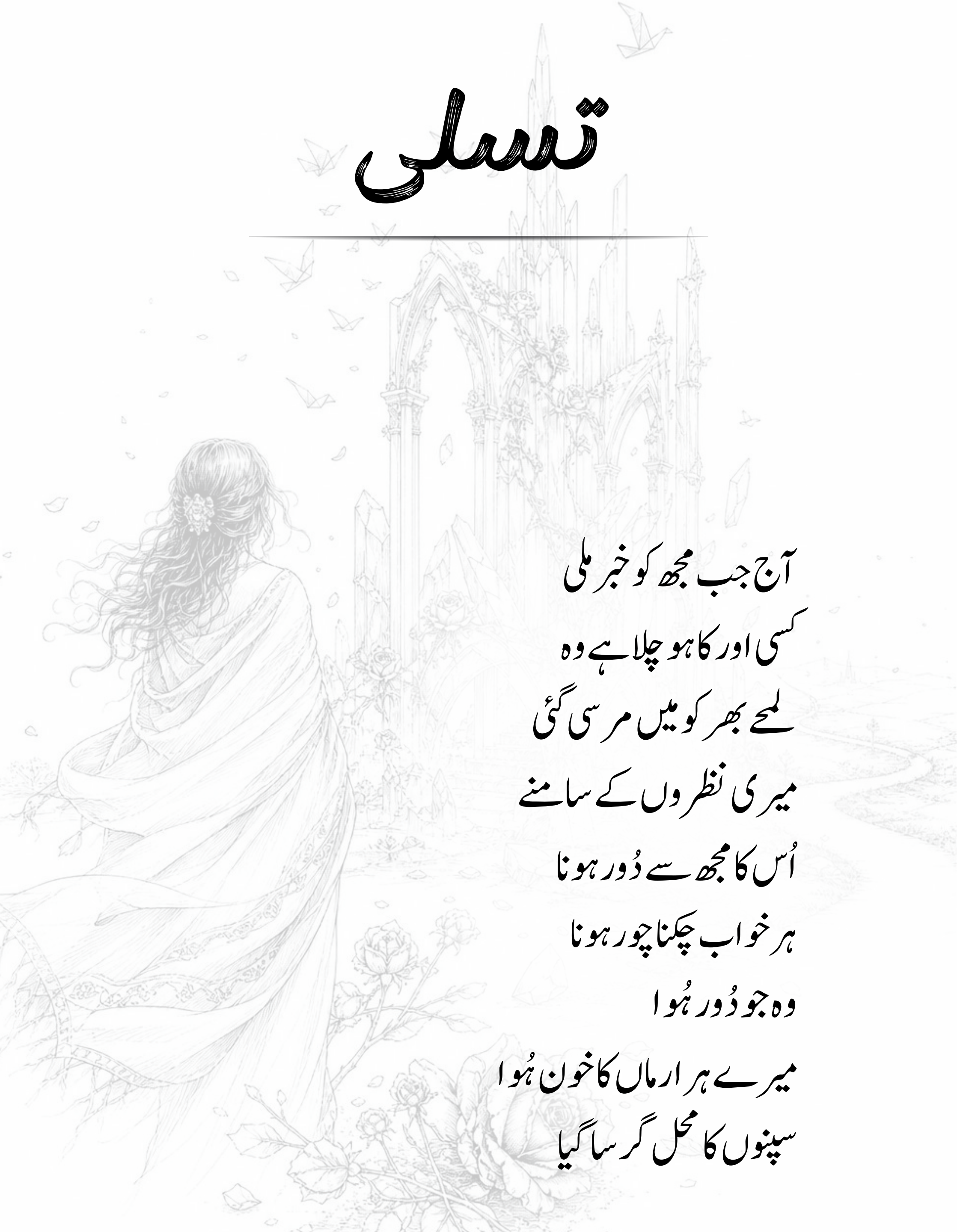

آج جب مجھ کو خبر ملی
کسی اور کا ہو چلا ہے وہ
لمحے بھر کو میں مر سی گئی
میری نظروں کے سامنے
اُس کا مجھ سے دُور ہونا
ہر خواب چکنا چور ہونا
وہ جو دُور ہُوا
میرے ہر ارماں کا خون ہُوا
سپنوں کا محل گر سا گیا

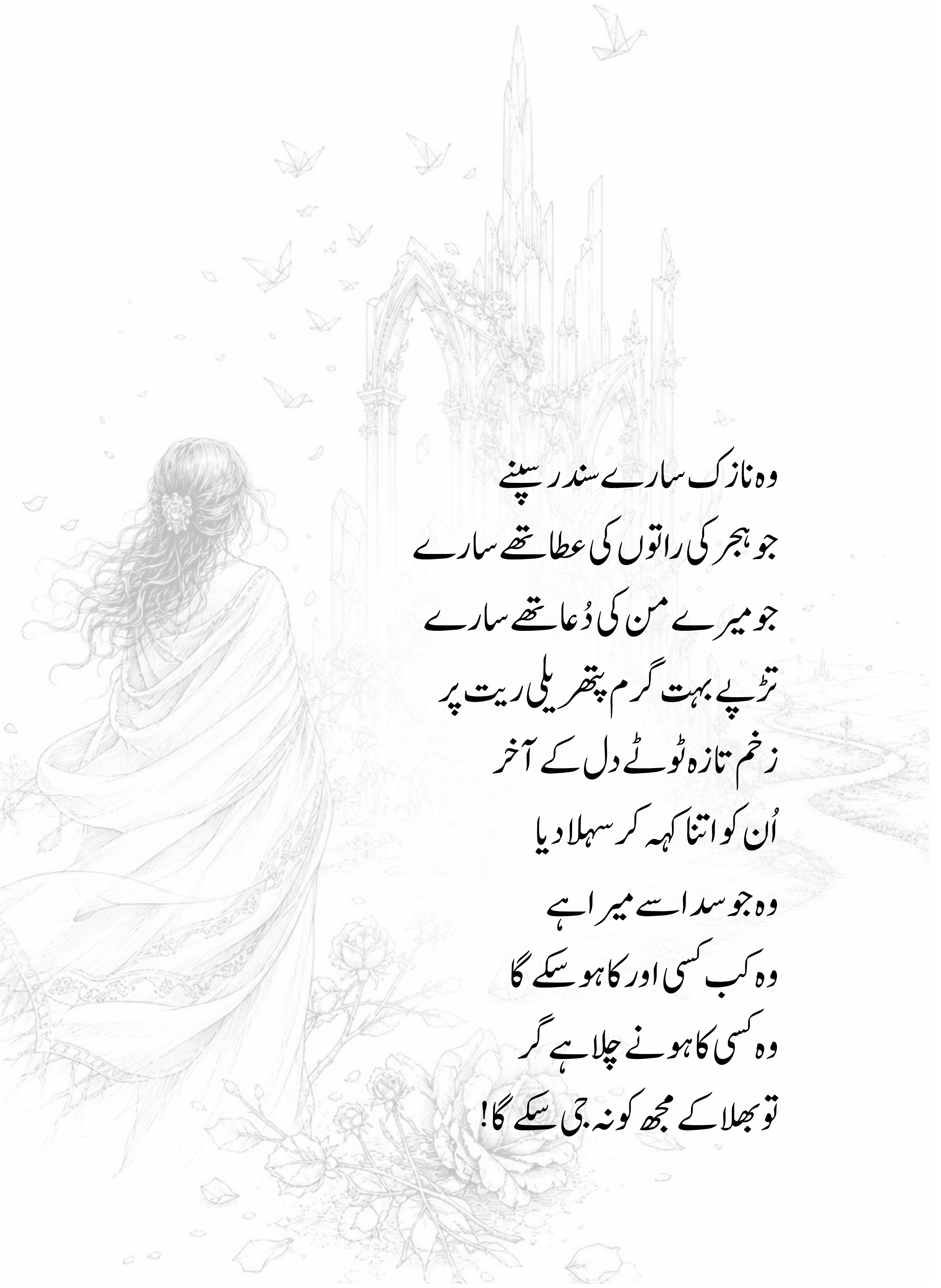

وہ نازک سارے سندر سپنے
جو ہجر کی راتوں کی عطا تھے سارے
جو میرے من کی دُعا تھے سارے
تڑپے بہت گرم پتھریلی ریت پر
زخم تازہ ٹوٹے دل کے آخر
اُن کو اتنا کہہ کر سہلا دیا
وہ جو سدا سے میرا ہے
وہ کب کسی اور کا ہو سکے گا
وہ کسی کا ہونے چلا ہے گر
تو بھلا کے مجھ کو نہ جی سکے گا!

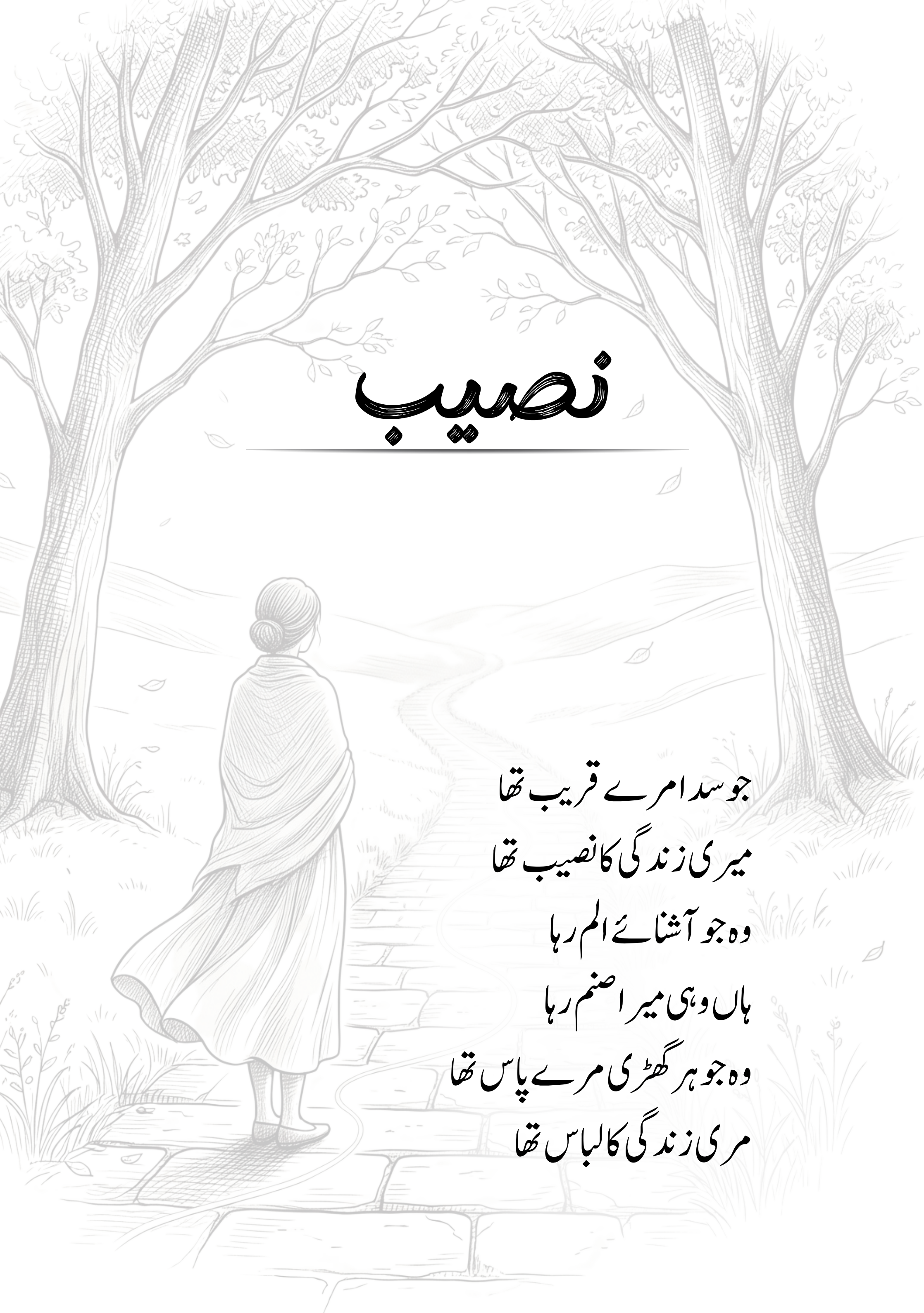

نصیب

جو سدا مرے قریب تھا
میری زندگی کا نصیب تھا
وہ جو آشنائے الم رہا
ہاں وہی میرا صنم رہا
وہ جو ہر گھڑی مرے پاس تھا
مری زندگی کا لباس تھا

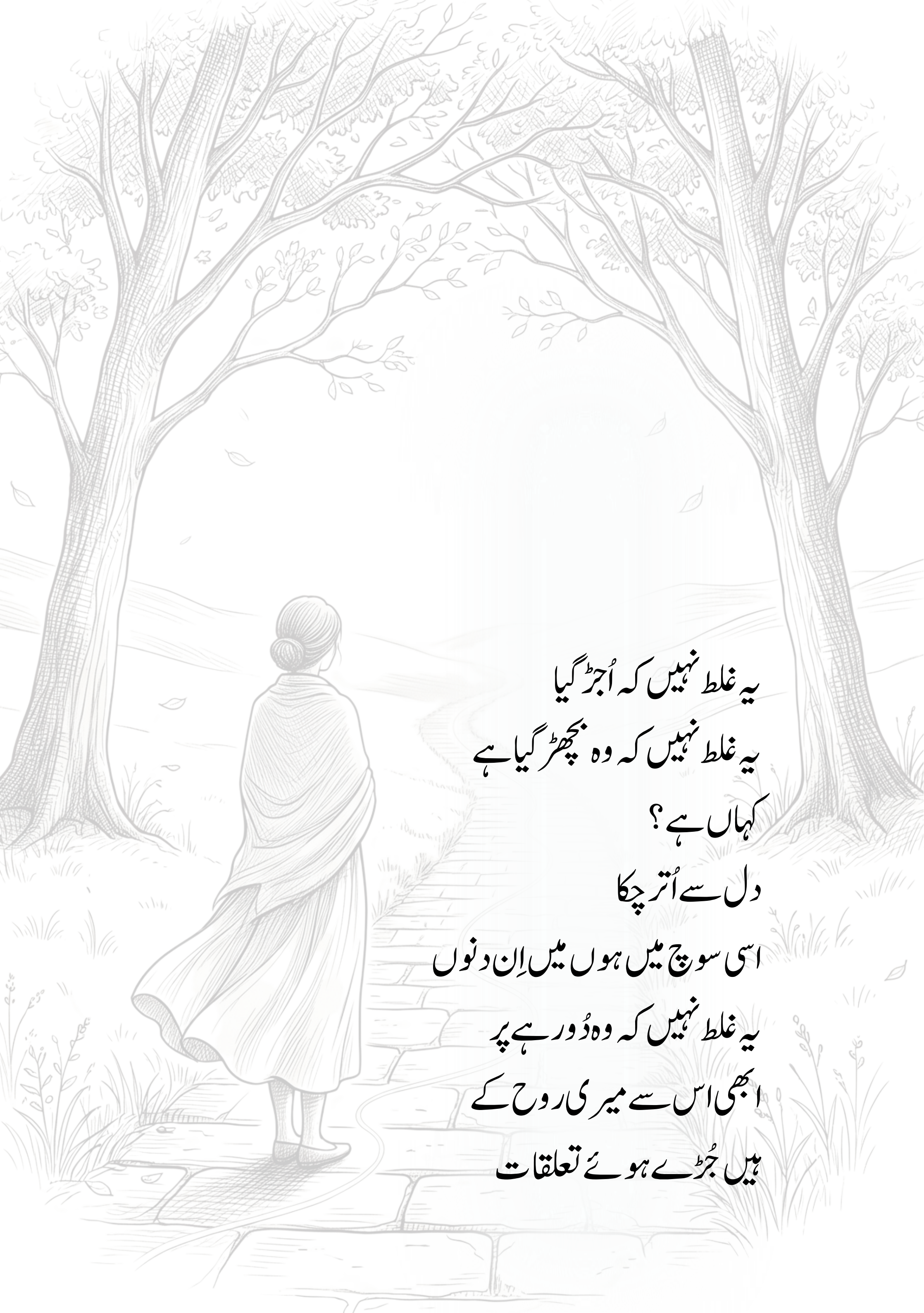

یہ غلط نہیں کہ اُجڑ گیا
یہ غلط نہیں کہ وہ بچھڑ گیا ہے
کہاں ہے؟
دل سے اُتر چکا
اسی سوچ میں ہوں میں اِن دنوں
یہ غلط نہیں کہ وہ دُور ہے پر
ابھی اس سے میری روح کے
ہیں جُڑے ہوئے تعلقات

چاند نگر میں

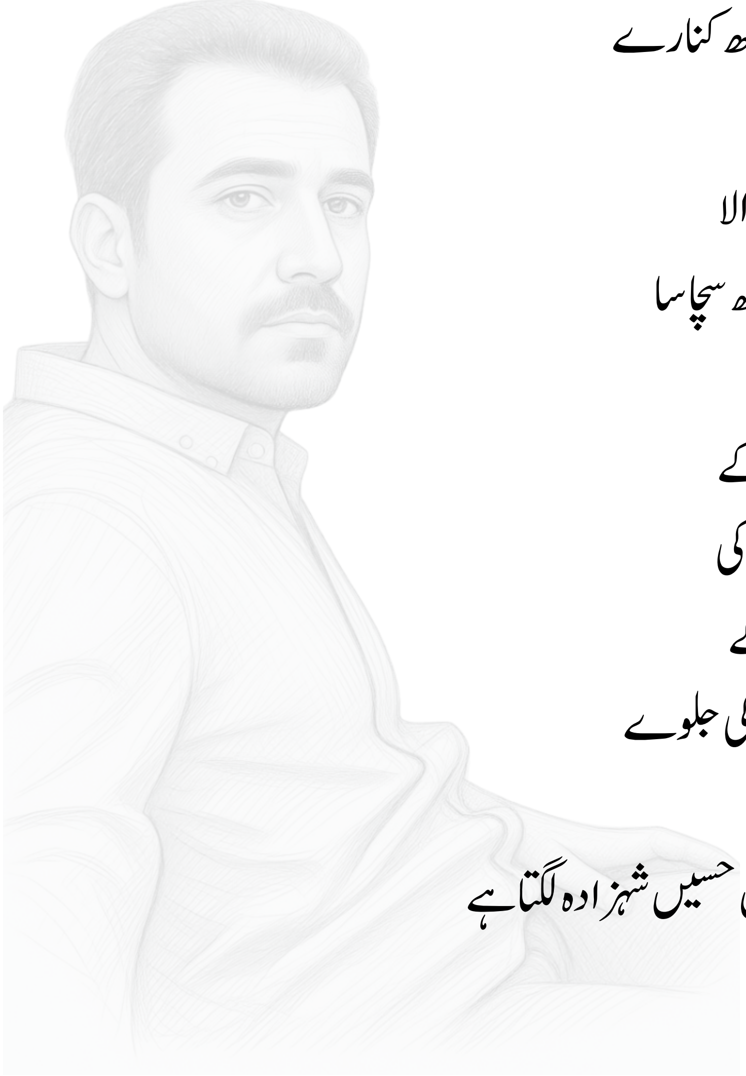

پنجاب میں سندھ کنارے
اِک سُندر سا
بھولی صورت والا
کچھ جُھوٹا اور کچھ سچا سا
باتیں اُس کی
پھول گلابوں کے
مسکراہٹ اُس کی
نغمے بہاروں کے
شرارتیں اُس کی جلوے
نظاروں کے
ہر پہناوے میں حسین شہزادہ لگتا ہے

رنگ روپ سَلونا رکھتا ہے
چلے تو اُس کے پاؤں کے
زمین بُوسے لیتی ہے
شرم وحیا کا وہ پیکر ہے
دیکھ کے اُس کو دنیا رنگ ڈھنگ سیکھے
کب تلک اُس کی باتیں لکھیں
کب تلک اُس کی راہ تکیں
چلو آج لے چلیں تم کو نقویؔ
چاند نگر میں
اُس بَھولے سجن کے گھر

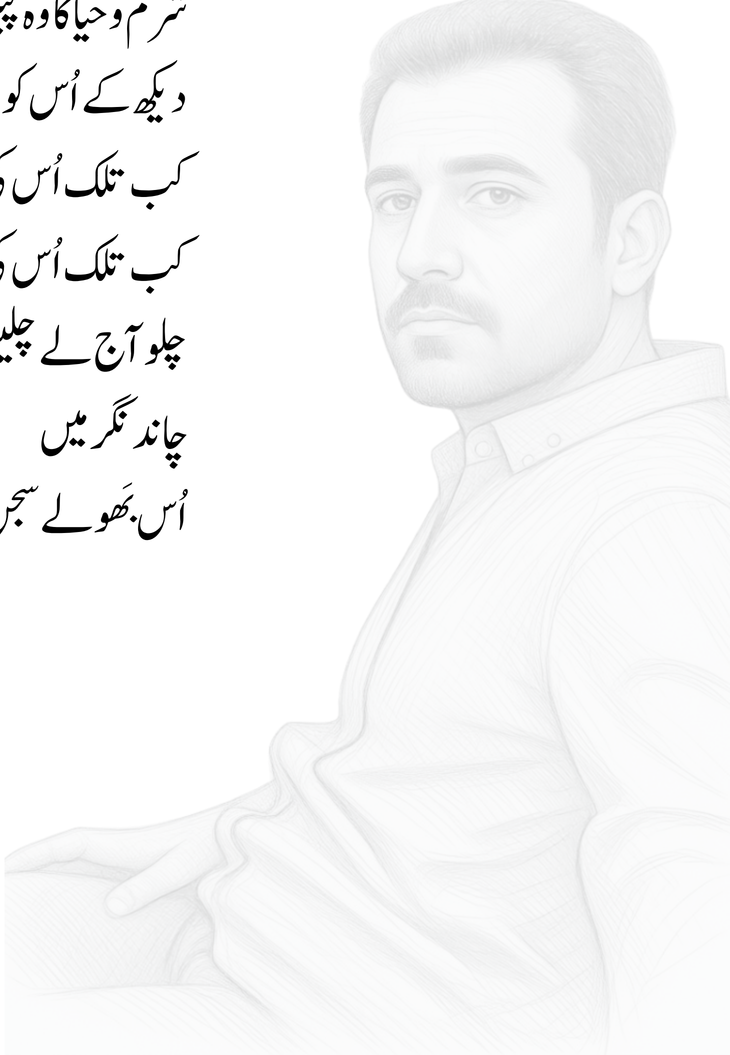

I am sure

آج ہمارا

Nations freedom Day

ہے جانوں!

اور آپ آج U.S.A

میں اپنی بے پناہ

مصروفیات میں ہو

مگر میں اتنا جانتی ہوں

رات پاکستان سٹینڈرڈ ٹائم

کے مطابق

ٹھیک بارہ بجے

جب آپ نے وال کلاک کی

جانب دیکھا

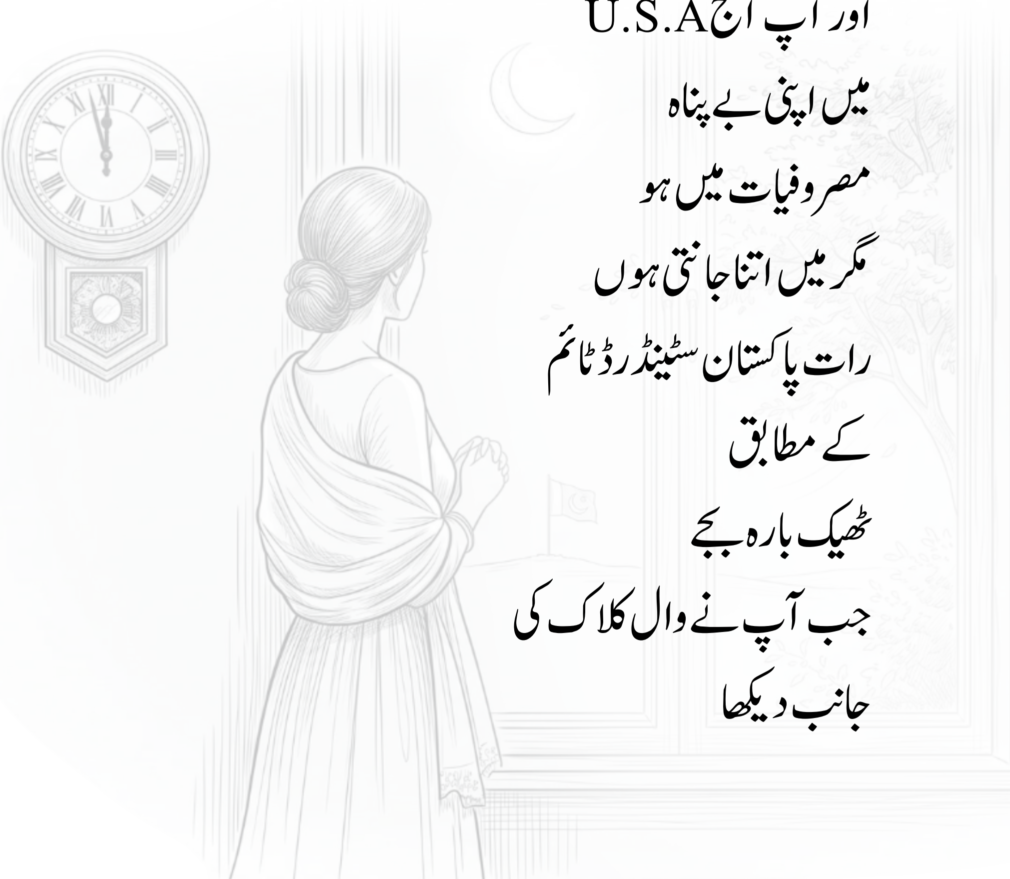

تو

اُداسی بھرے لب و لہجے کے ساتھ
آپ نے مسکراہٹ سجا کے ہونٹوں پہ
کہا ہو گا......

Happy Independence Day

جانم!
کیونکہ مجھے اُس لمحے آپ کے نام کی
زوردار ہچکی آئی تھی!

معجز نما

اِک تارا میری گود میں اُترا
میری ذات کا بن کر مکمل حوالہ
یہ نعمتِ عظیم
عطائے ربِ کریم
صد شکر مولا
تُو نے کن پُکارا
نورِ عین کو بھیجا
قلب و جگر کا چین بھیجا
ذات میں اپنی سدا یہ معتبر ہو

صدقے میں بانٹیں جو بھی
شہنشاہِ وفاؑ
وہ نعمت دو جہاں کی ہو
اِسے عطا
ہے یہ دُعا میرے مولا
بصدقہ ءخاک پائے مشکل کُشاءؑ
میرے معجز نما پر
رہے شہرِ علم کا دَر کھلا!

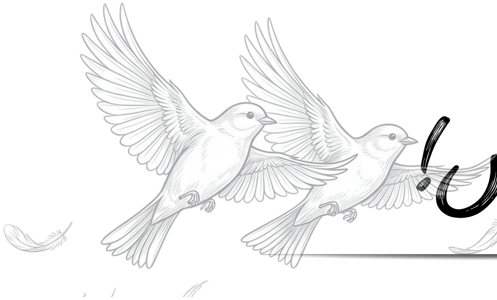

کاش!

کاش! ہم دو پنچھی ہوتے!
گمنام سے سفر پہ ساتھ ہوتے
کُھلے گگن پہ اٹکھیلیاں کرتے
تھک کر کبھی جو چُور ہوتے
تو بیٹھ کر اِک دوجے کے
حصار میں
چین سے سوتے
نہ یہ ہجر کی سختیاں ہوتیں
نہ یہ ملن کی تڑپ ہوتی
اِک دوجے کے لیے بنے ہوتے
ہر مسافت پہ اِک دوجے کا
سہارا ہوتے
کاش! ہم دو پنچھی ہوتے!

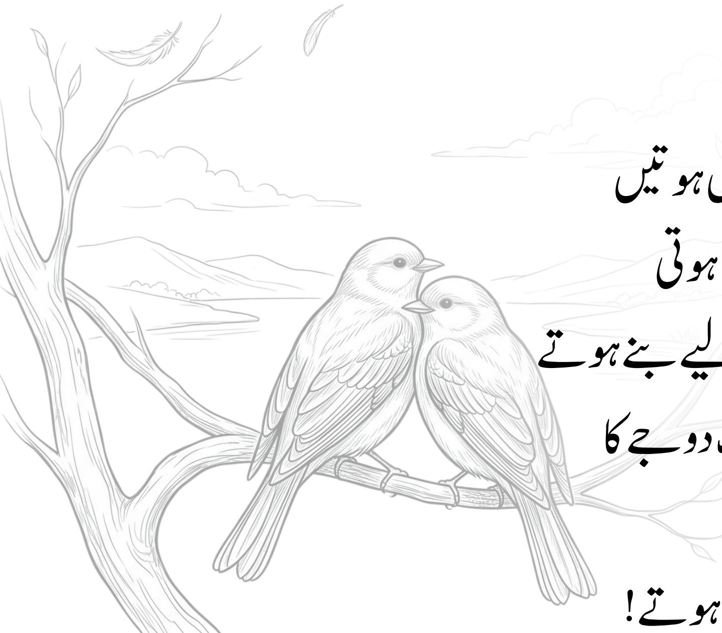

حسرت

دل کی حسرت دل میں رہی
تم کو نہ پانے کا ملال ہے
کچھ وقت کی کدورتوں نے
کچھ ہماری ضرورتوں نے
ہمیں جُدا کر دیا
لیکن
اِس بے وفائی کو
بے وفائی مت کہنا
مجھے اپنے جسم میں
روح بنا کے رکھنا اور تم
میرے دل میں دھڑکن
بن کر رہنا

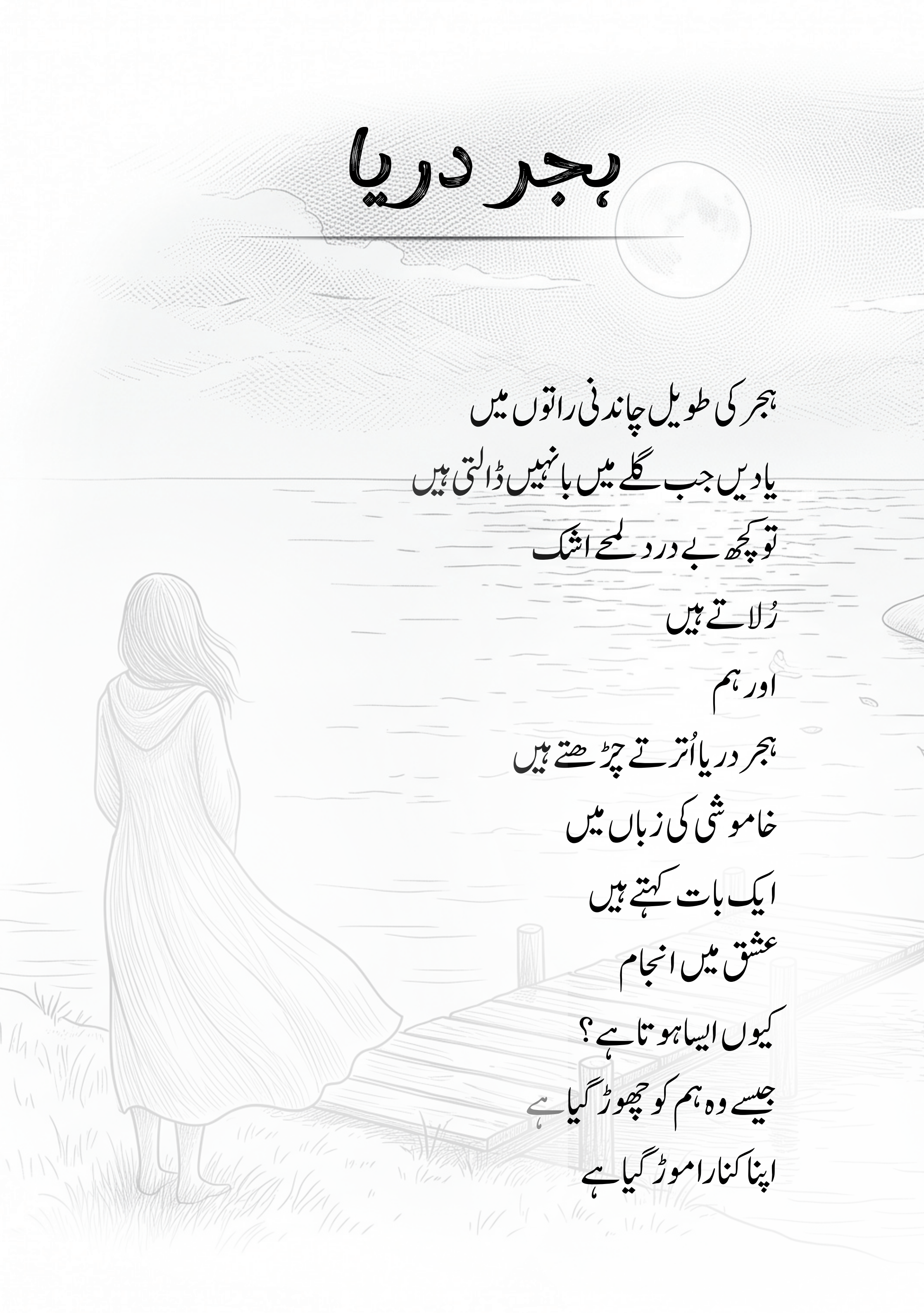

ہجر دریا

ہجر کی طویل چاندنی راتوں میں
یادیں جب گلے میں باہیں ڈالتی ہیں
تو کچھ بے درد لمحے اشک
رُلاتے ہیں
اور ہم
ہجر دریا اُترتے چڑھتے ہیں
خاموشی کی زباں میں
ایک بات کہتے ہیں
عشق میں انجام
کیوں ایسا ہوتا ہے؟
جیسے وہ ہم کو چھوڑ گیا ہے
اپنا کنارا موڑ گیا ہے

سُنا ہے میں نے

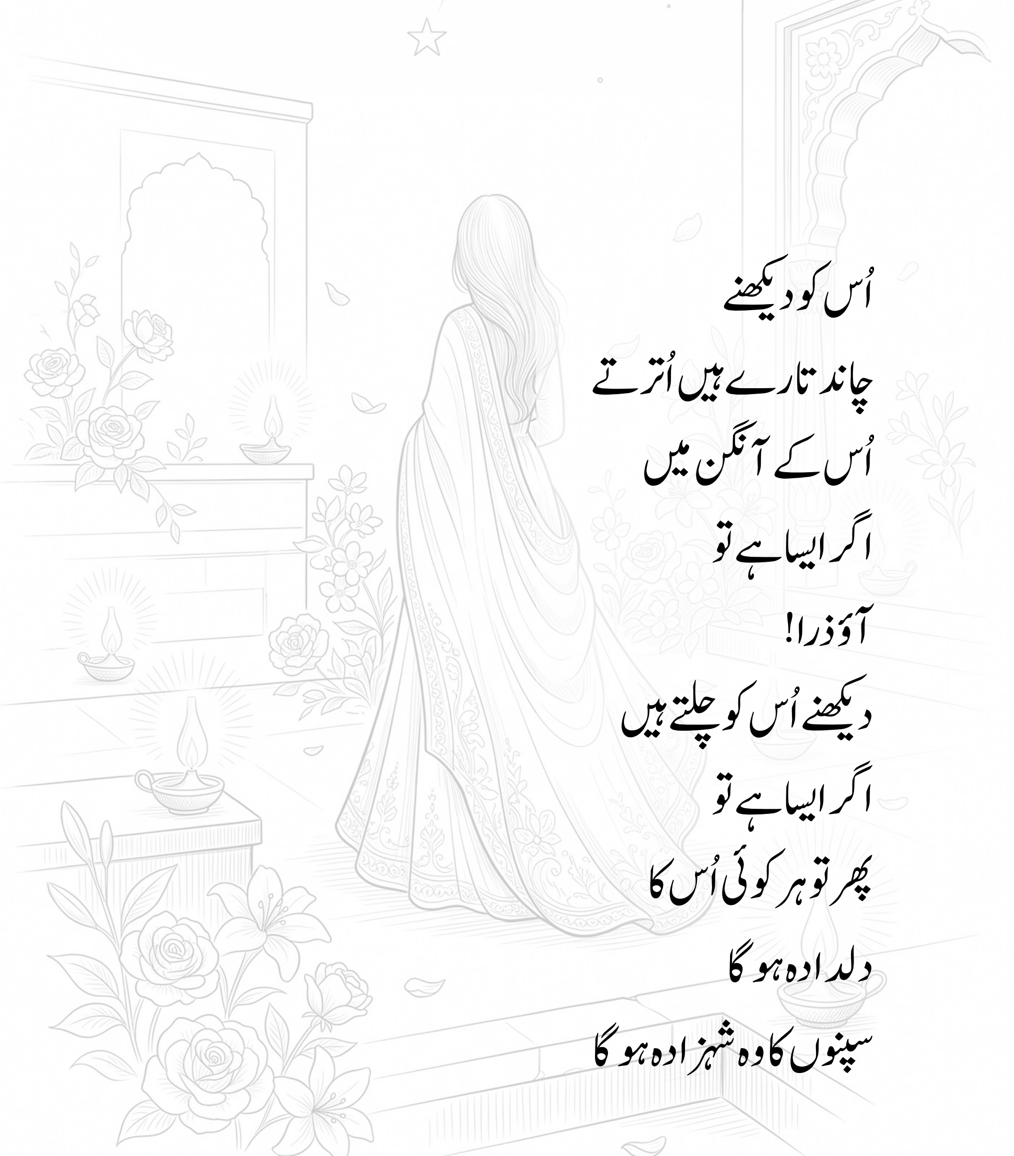

اُس کو دیکھنے
چاند تارے ہیں اُترتے
اُس کے آنگن میں
اگر ایسا ہے تو
آؤ ذرا!
دیکھنے اُس کو چلتے ہیں
اگر ایسا ہے تو
پھر تو ہر کوئی اُس کا
دلدادہ ہو گا
سپنوں کا وہ شہزادہ ہو گا

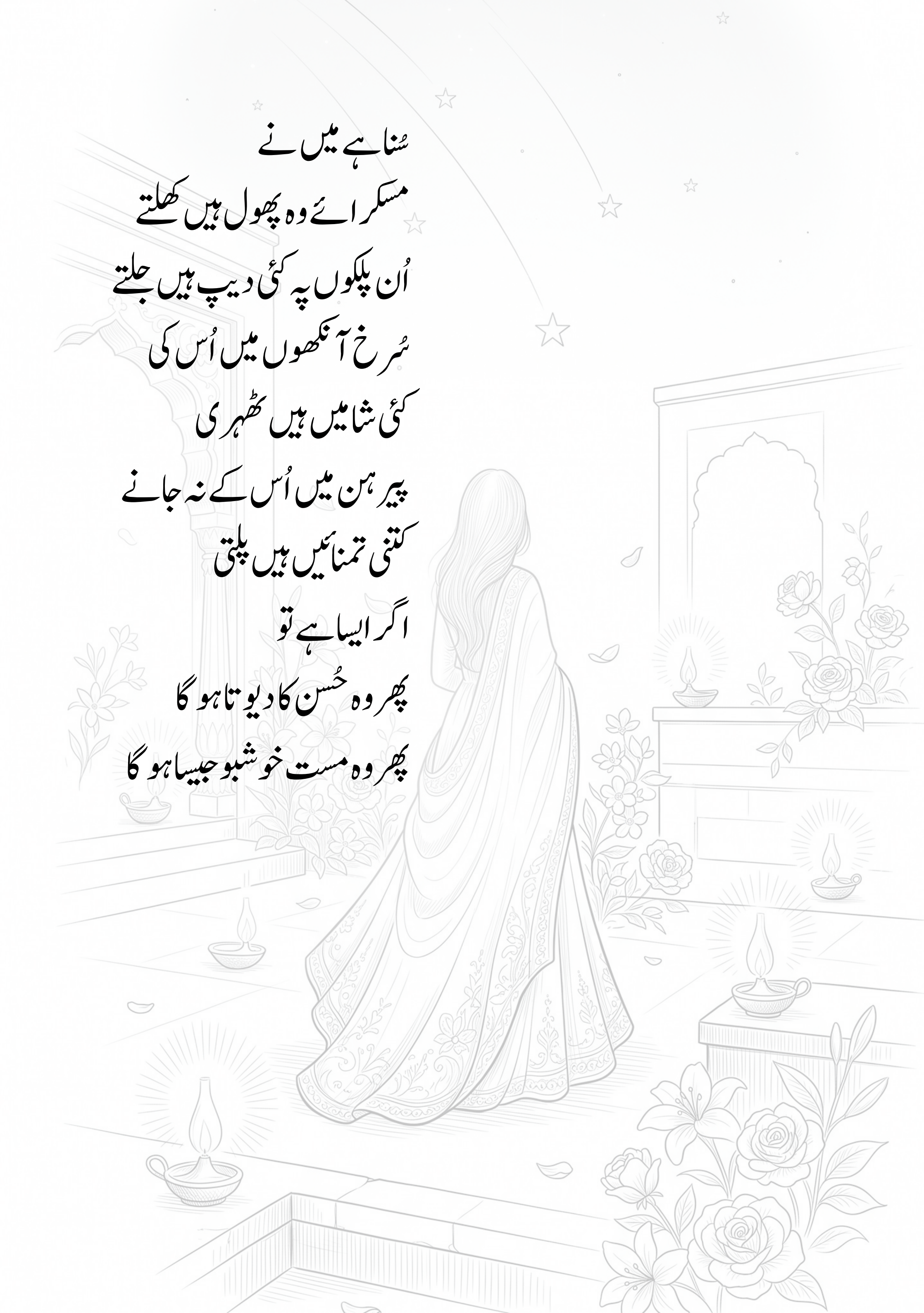

سُنا ہے میں نے
مسکرائے وہ پھول ہیں کھلتے
اُن پلکوں پہ کئی دیپ ہیں جلتے
سُرخ آنکھوں میں اُس کی
کئی شامیں ہیں ٹھہری
پیرہن میں اُس کے نہ جانے
کتنی تمنائیں ہیں پلتی
اگر ایسا ہے تو
پھر وہ حُسن کا دیوتا ہو گا
پھر وہ مست خوشبو جیسا ہو گا

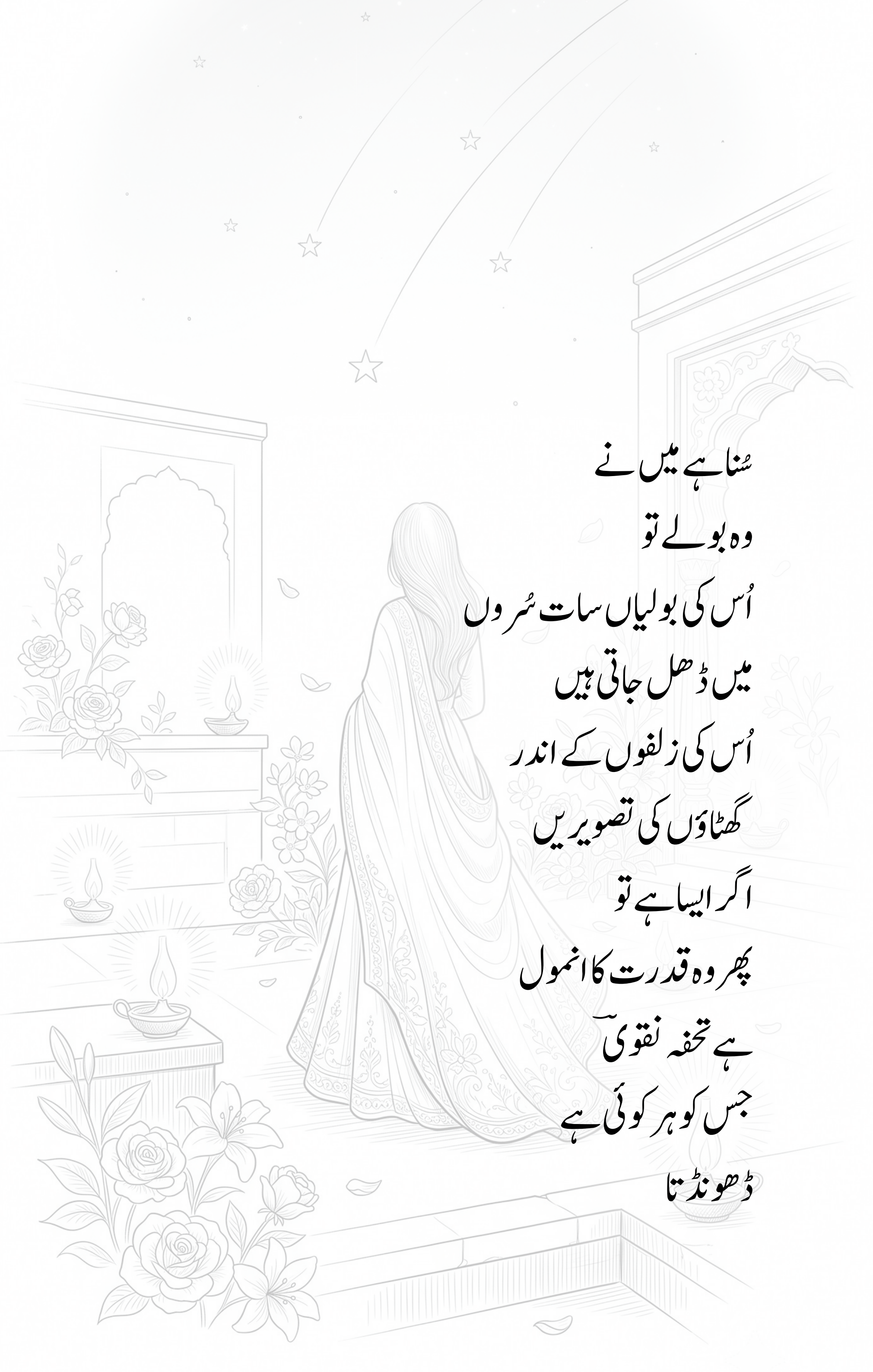

سُنا ہے میں نے
وہ بولے تو
اُس کی بولیاں سات سُروں
میں ڈھل جاتی ہیں
اُس کی زلفوں کے اندر
گھٹاؤں کی تصویریں
اگر ایسا ہے تو
پھر وہ قدرت کا انمول
ہے تحفہ نقویؔ
جس کو ہر کوئی ہے
ڈھونڈتا

صحرا

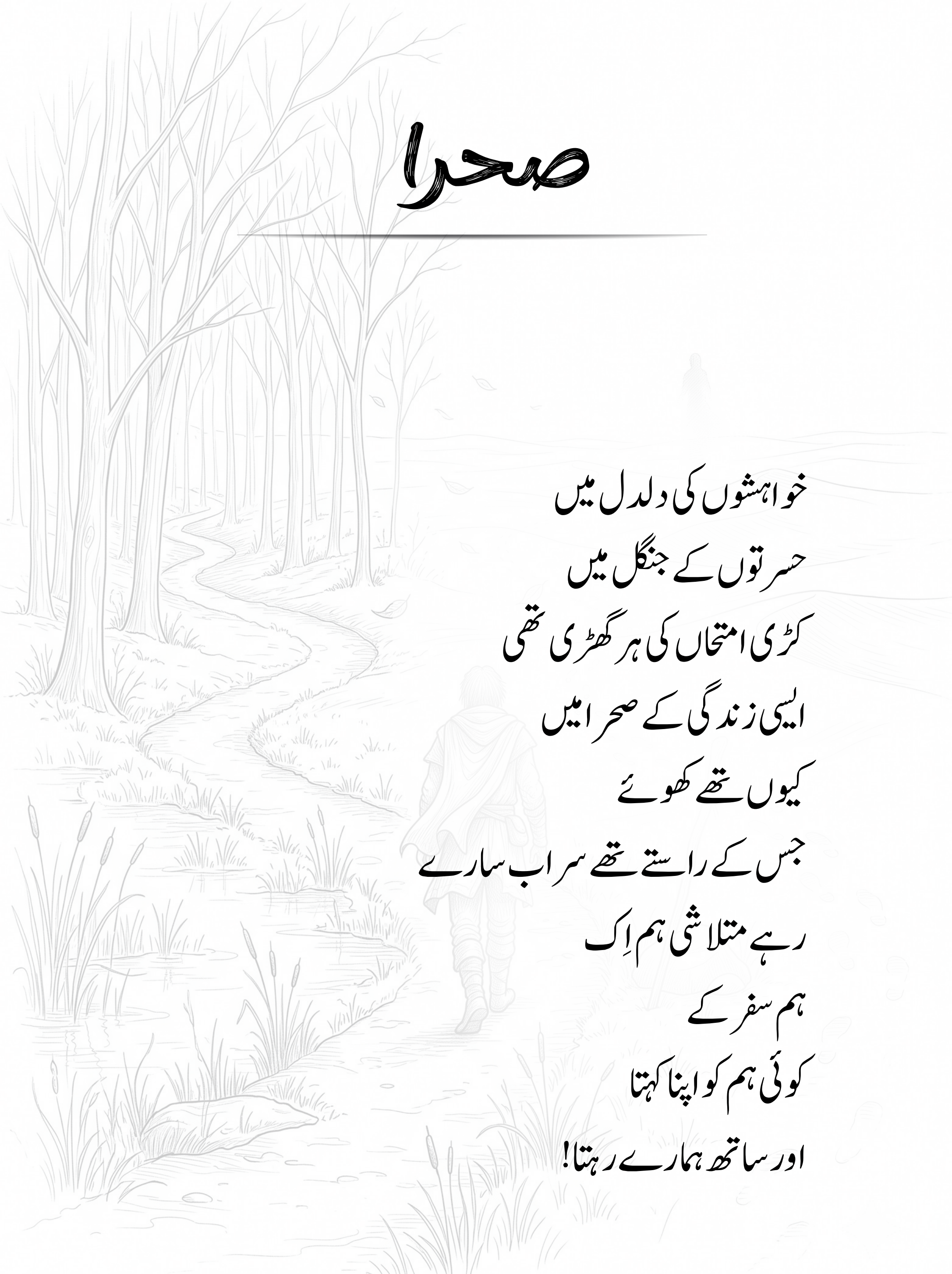

خواہشوں کی دلدل میں
حسرتوں کے جنگل میں
کڑی امتحاں کی ہر گھڑی تھی
ایسی زندگی کے صحرا میں
کیوں تھے کھوئے
جس کے راستے تھے سراب سارے
رہے متلاشی ہم اِک
ہم سفر کے
کوئی ہم کو اپنا کہتا
اور ساتھ ہمارے رہتا!

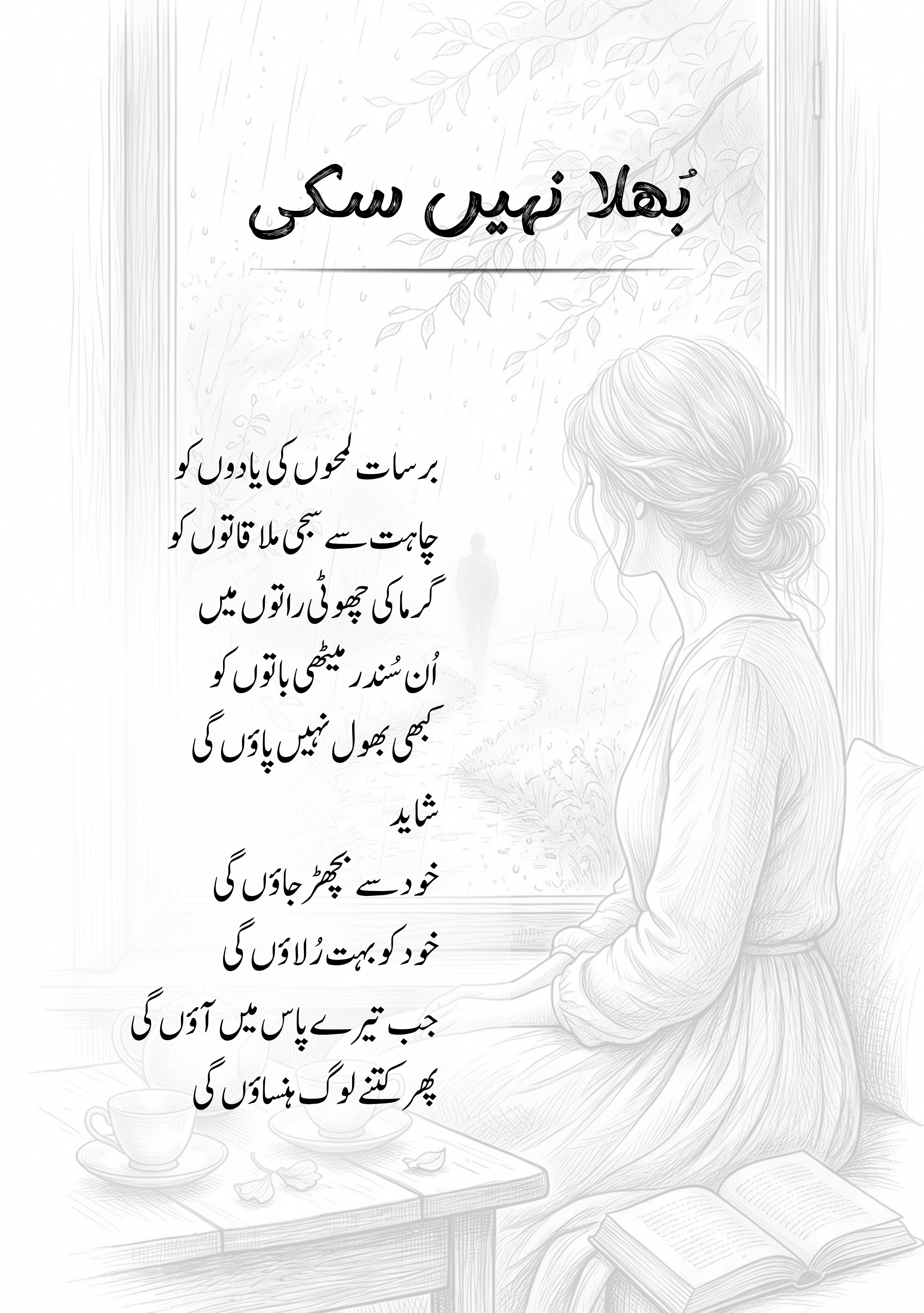

بُھلا نہیں سکی

برسات لمحوں کی یادوں کو
چاہت سے سبھی ملاقاتوں کو
گرما کی چھوٹی راتوں میں
اُن سُندر میٹھی باتوں کو
کبھی بھول نہیں پاؤں گی
شاید
خود سے بچھڑ جاؤں گی
خود کو بہت رُلاؤں گی
جب تیرے پاس میں آؤں گی
پھر کتنے لوگ ہنساؤں گی

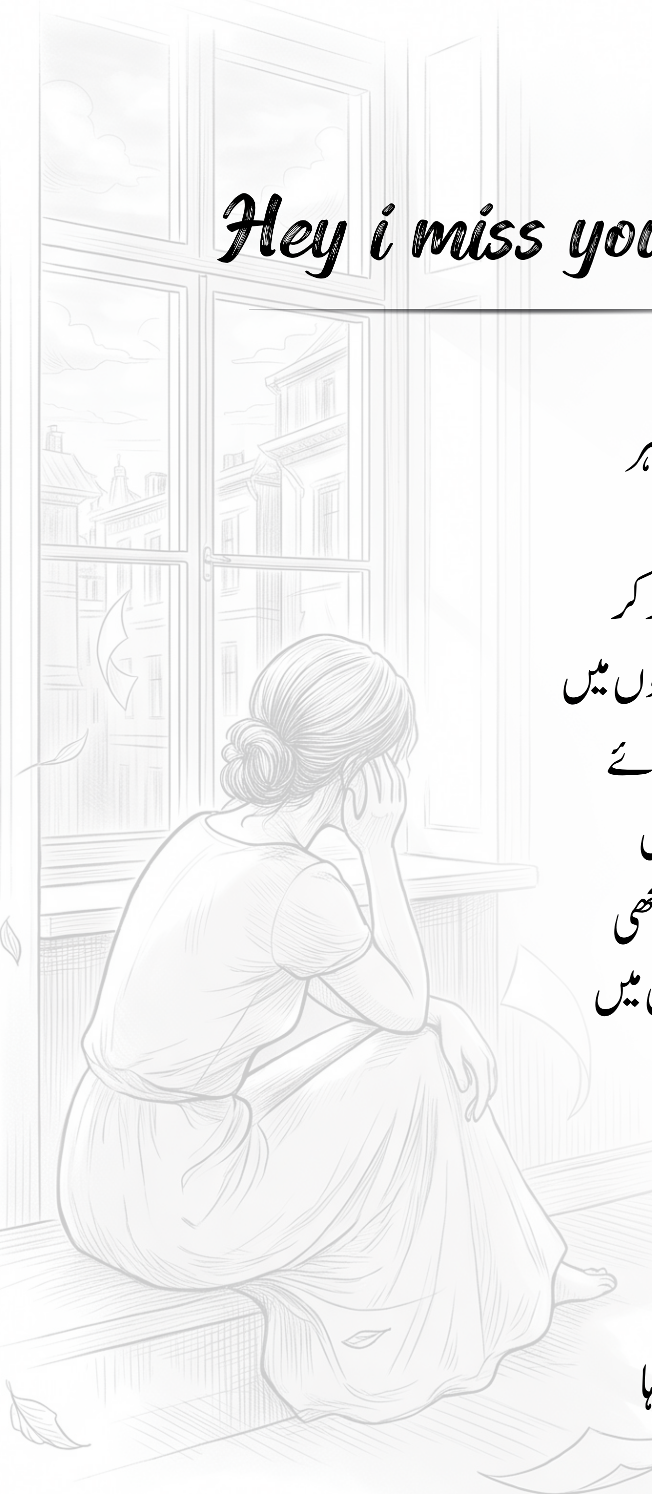

Hey i miss you a lot

شب کے پچھلے پہر
پھیلتے سناٹوں میں
چُور غموں سے ہو کر
ہر سُو بکھری آہٹوں میں
ہر سمے کو تکتے ہوئے
آنکھیں موند لیں
اِس طرح سے اُلجھی
ہجر کی تمام راتوں میں
وہ ہمیشہ ہر رات
پاس آتا رہا
وہ خواب بن کر
مجھ کو گھری
میٹھی نیند سُلاتا رہا

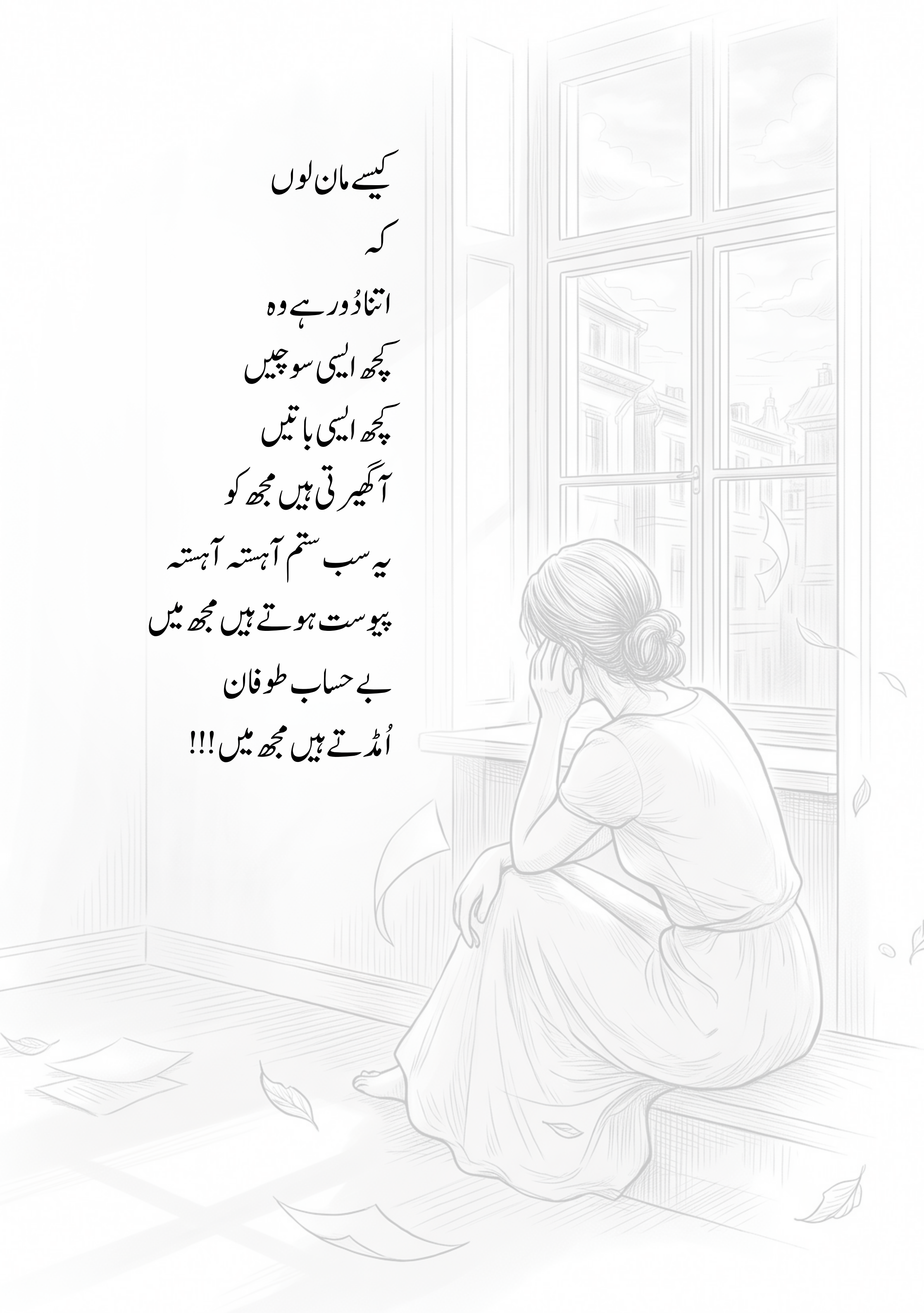

کیسے مان لوں

کہ

اتنا دُور ہے وہ

کچھ ایسی سوچیں

کچھ ایسی باتیں

آ گھیرتی ہیں مجھ کو

یہ سب ستم آہستہ آہستہ

پیوست ہوتے ہیں مجھ میں

بے حساب طوفان

اُمڈتے ہیں مجھ میں!!!

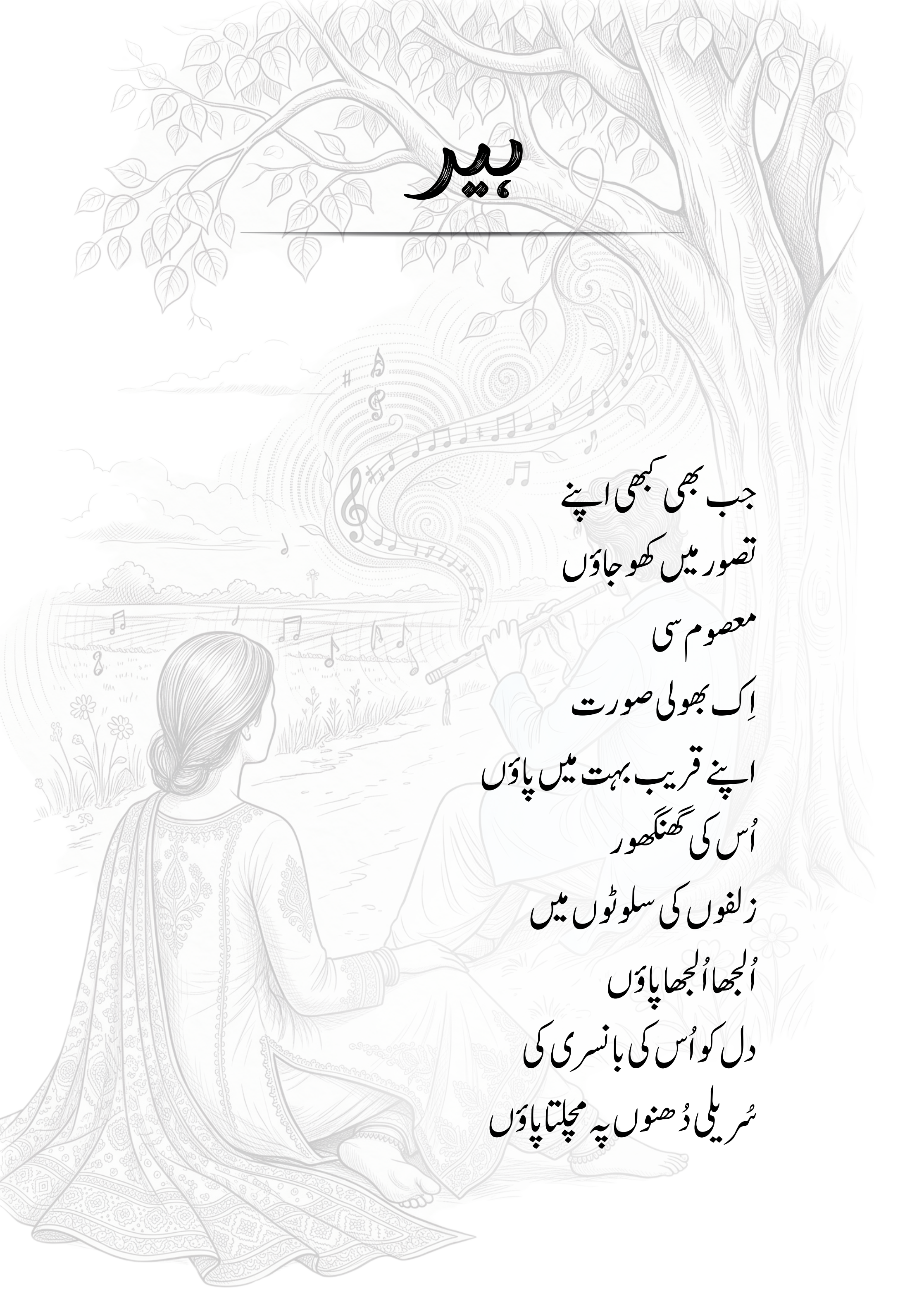

ہیر

جب بھی کبھی اپنے
تصور میں کھو جاؤں
معصوم سی
اِک بھولی صورت
اپنے قریب بہت میں پاؤں
اُس کی گھنگھور
زلفوں کی سلوٹوں میں
اُلجھا اُلجھا پاؤں
دل کو اُس کی بانسری کی
سُریلی دُھنوں پہ مچلتا پاؤں

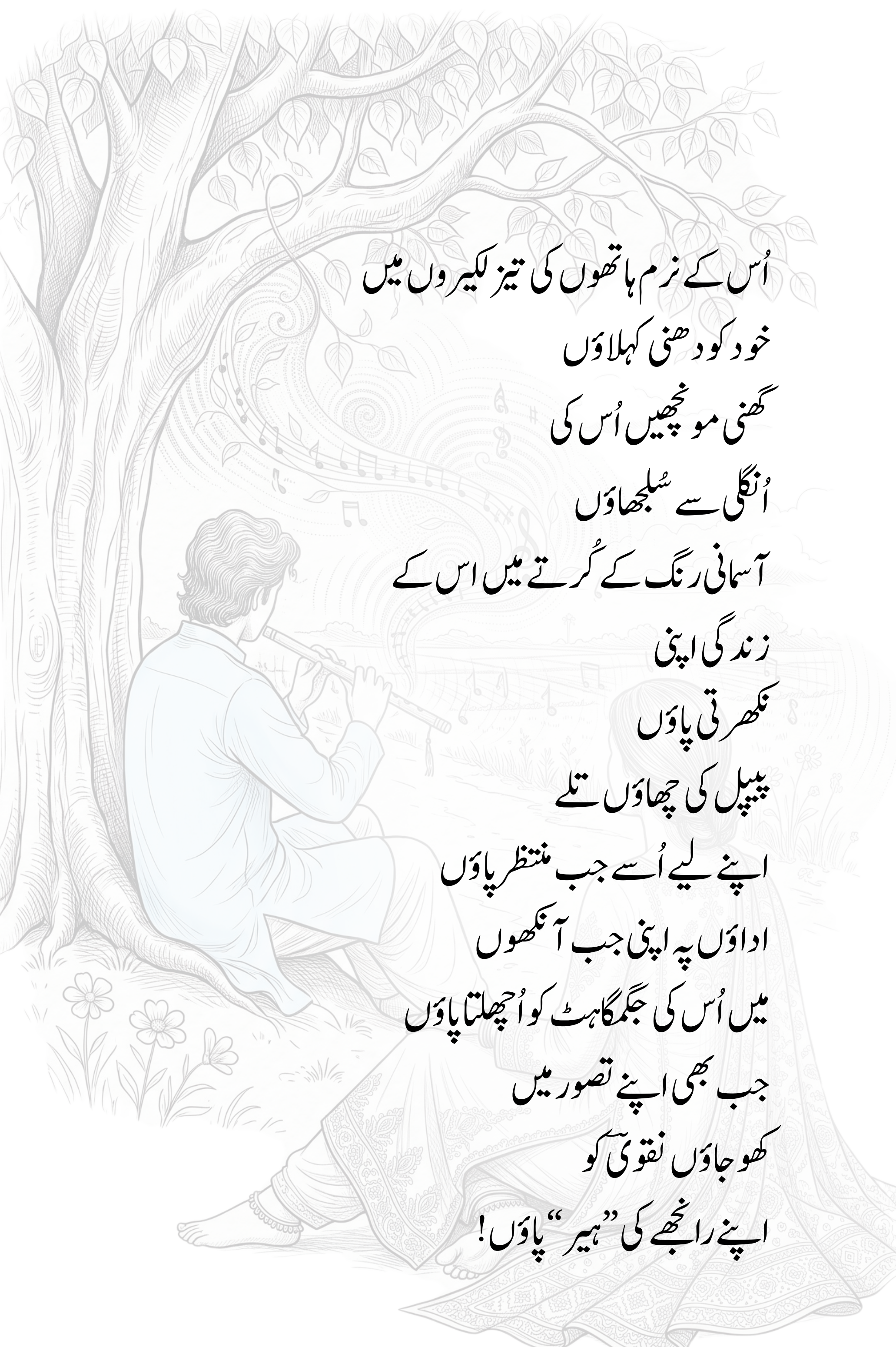

اُس کے نرم ہاتھوں کی تیز لکیروں میں
خود کو دھنی کہلاؤں
گھنی مونچھیں اُس کی
اُنگلی سے سُلجھاؤں
آسمانی رنگ کے کُرتے میں اس کے
زندگی اپنی
نکھرتی پاؤں
پیپل کی چھاؤں تلے
اپنے لیے اُسے جب منتظر پاؤں
اداؤں پہ اپنی جب آنکھوں
میں اُس کی جگمگاہٹ کو اُچھلتا پاؤں
جب بھی اپنے تصور میں
کھو جاؤں نقوی کو
اپنے رانجھے کی "ہیر" پاؤں!

گونگی خواہش

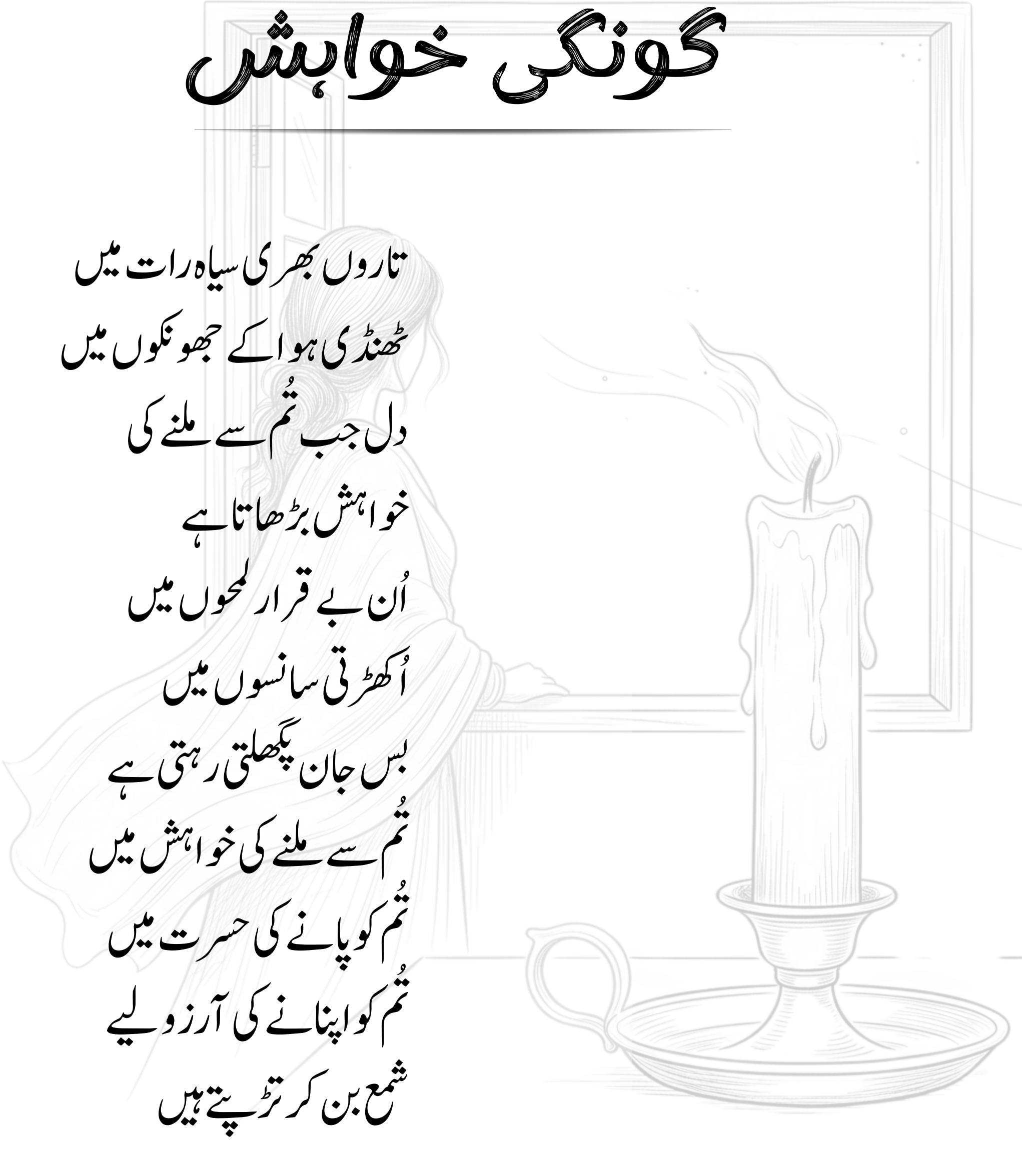

تاروں بھری سیاہ رات میں
ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں
دل جب تُم سے ملنے کی
خواہش بڑھاتا ہے
اُن بے قرار لمحوں میں
اُکھڑتی سانسوں میں
بس جان پگھلتی رہتی ہے
تُم سے ملنے کی خواہش میں
تُم کو پانے کی حسرت میں
تُم کو اپنانے کی آرزو لیے
شمع بن کر تڑپتے ہیں
اپنے آپ میں جیتے مرتے ہیں

جشنِ بہاراں

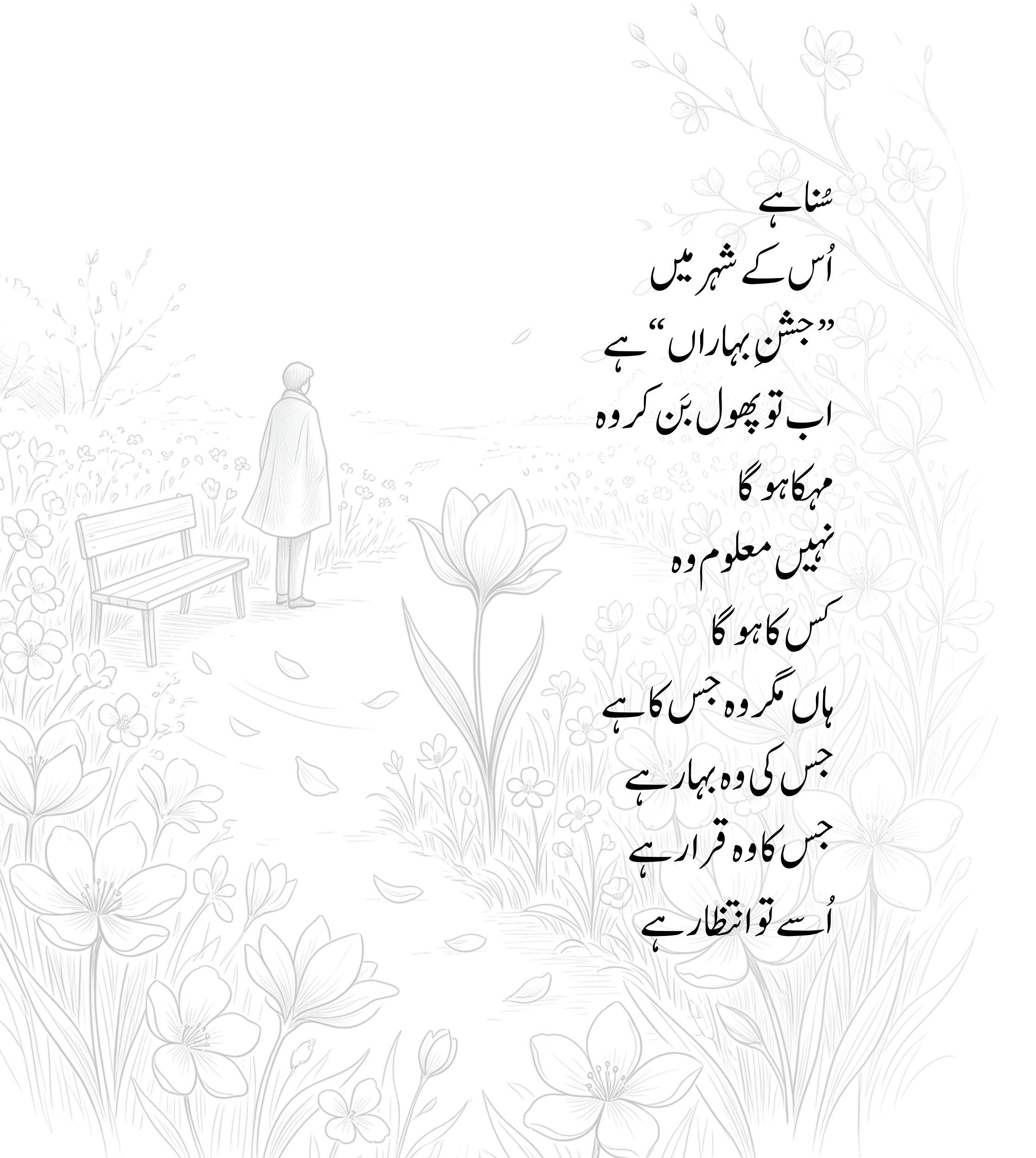

سُنا ہے
اُس کے شہر میں
"جشنِ بہاراں" ہے
اب تو پھول بَن کر وہ
مہکا ہو گا
نہیں معلوم وہ
کس کا ہو گا
ہاں مگر وہ جس کا ہے
جس کی وہ بہار ہے
جس کا وہ قرار ہے
اُسے تو انتظار ہے

سکوت

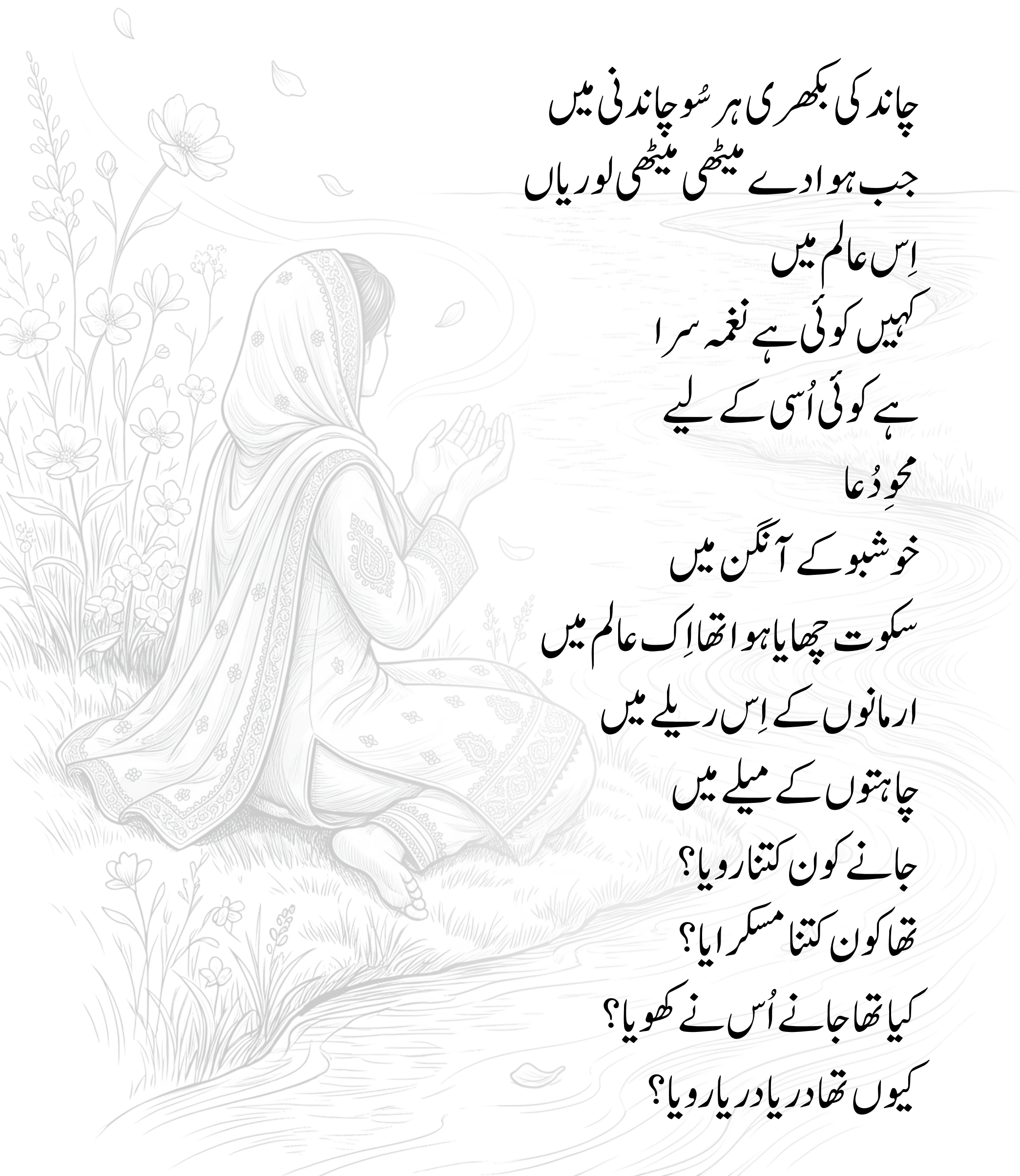

چاند کی بکھری ہر سُو چاندنی میں
جب ہوا دے میٹھی میٹھی لوریاں
اِس عالم میں
کہیں کوئی ہے نغمہ سرا
ہے کوئی اُسی کے لیے
محوِ دُعا
خوشبو کے آنگن میں
سکوت چھایا ہوا تھا اِک عالم میں
ارمانوں کے اِس ریلے میں
چاہتوں کے میلے میں
جانے کون کتنا رویا؟
تھا کون کتنا مسکرایا؟
کیا تھا جانے اُس نے کھویا؟
کیوں تھا دریا دریا رویا؟

اُداس رہتی ہوں

خامشی کا دروازہ کون آ کے کھولے گا
لمحہ جدائی میں کون آ کے بولے گا
ہے تمھیں خبر جاناں؟
روشنی سنورتی ہے
روشنی پگھلتی ہے
روز دن نکلتا ہے
روز شام ڈھلتی ہے
میرے دل کی دنیا میں
کچھ چراغ جلتے ہیں
کچھ چراغ بجھ جاتے ہیں
روشنی کی چاہت میں
رائیگاں تعاقب میں
زندگی سمجھتی ہوں
ہاں اسی حوالے سے بدحواس رہتی ہوں
اور اُداس رہتی ہوں!

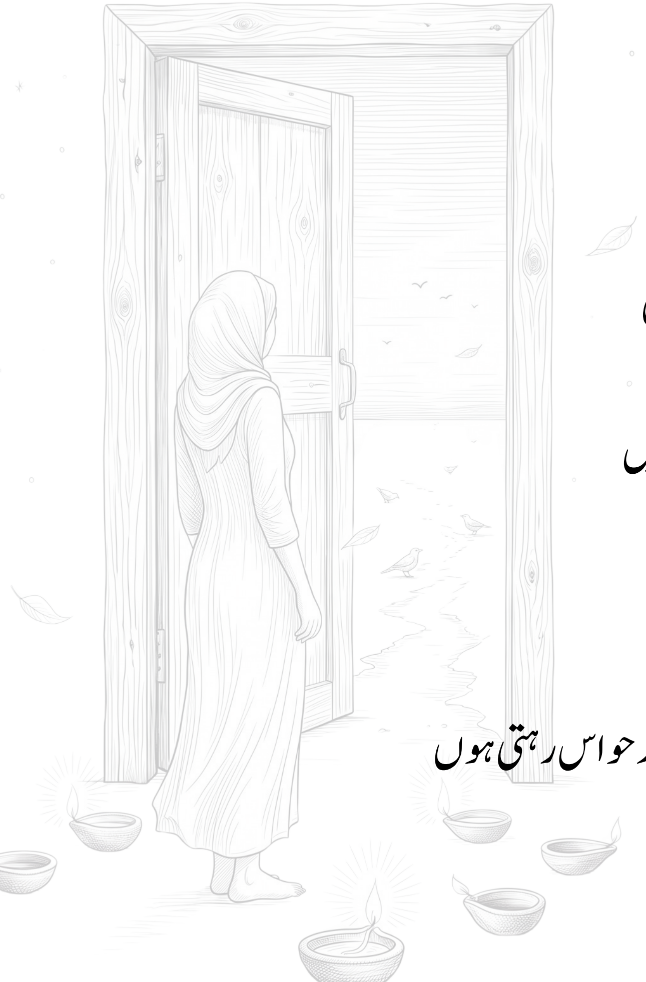

شبِ زیستم

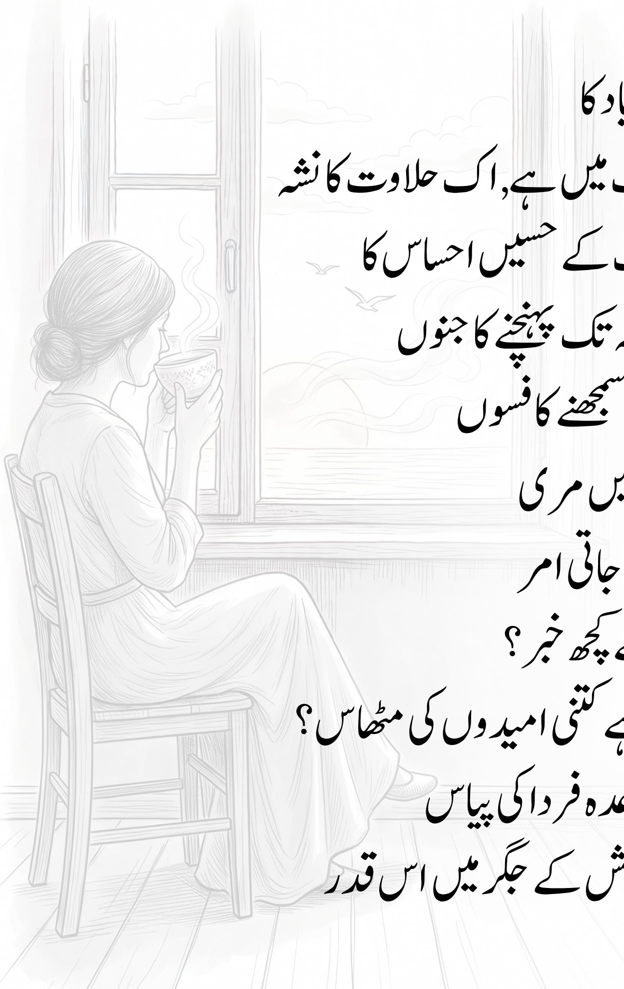

چائے تو ہے اک بہانہ یاد کا
جس کے ہر اک گھونٹ میں ہے, اک حلاوت کا نشہ
لمس ہے جس میں محبت کے حسیں احساس کا
سرگزشتِ عشق کی تہہ تک پہنچنے کا جنوں
بے شعوری اہلِ دنیا کی سمجھنے کا فسوں
نبض رکتی تیرے پہلو میں مری
میری ہر اک سانس ہو جاتی امر
میرے چارہ گر تجھے ہے کچھ خبر؟
ایک کپ چائے میں ہے کتنی امیدوں کی مٹھاس؟
عہدِ رفتہ کی خلش, اور وعدہ فردا کی پیاس
آگ بھر دیتی ہے غم کش کے جگر میں اس قدر

راکھ ہو جاتے ہیں جس سے مصلحت کے بت کدے
ہر دلِ بیتاب ہو جاتا ہے اس سے پُر سکوں
یہ "فنا فی العشق" کر دیتی ہے عاشق کا وجود
آفتابِ زیست اس کے دم سے ہوتا ہے طلوع
اس سے ہو جاتی ہے دنیائے تمنا تازہ دم
کیا بتاؤں چائے میں ہوتی ہے کتنی "زیستم"

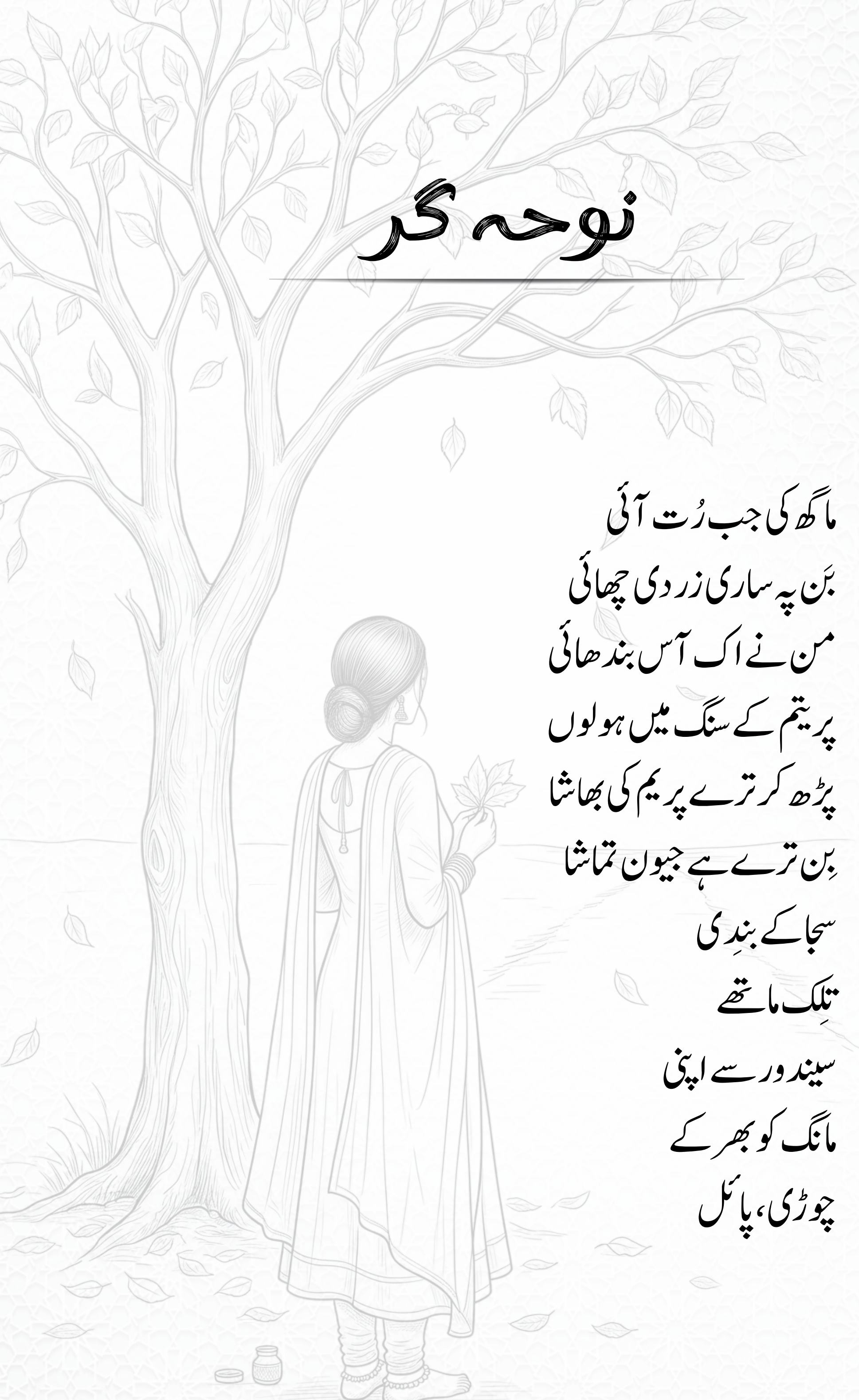

نوحہ گر

ماگھ کی جب رُت آئی
بَن پہ ساری زردی چھائی
من نے اک آس بندھائی
پریتم کے سنگ میں ہولوں
پڑھ کر ترے پریم کی بھاشا
بِن ترے ہے جیون تماشا
سجا کے بندِی
تلک ماتھے
سیندور سے اپنی
مانگ کو بھر کے
چوڑی، پائل

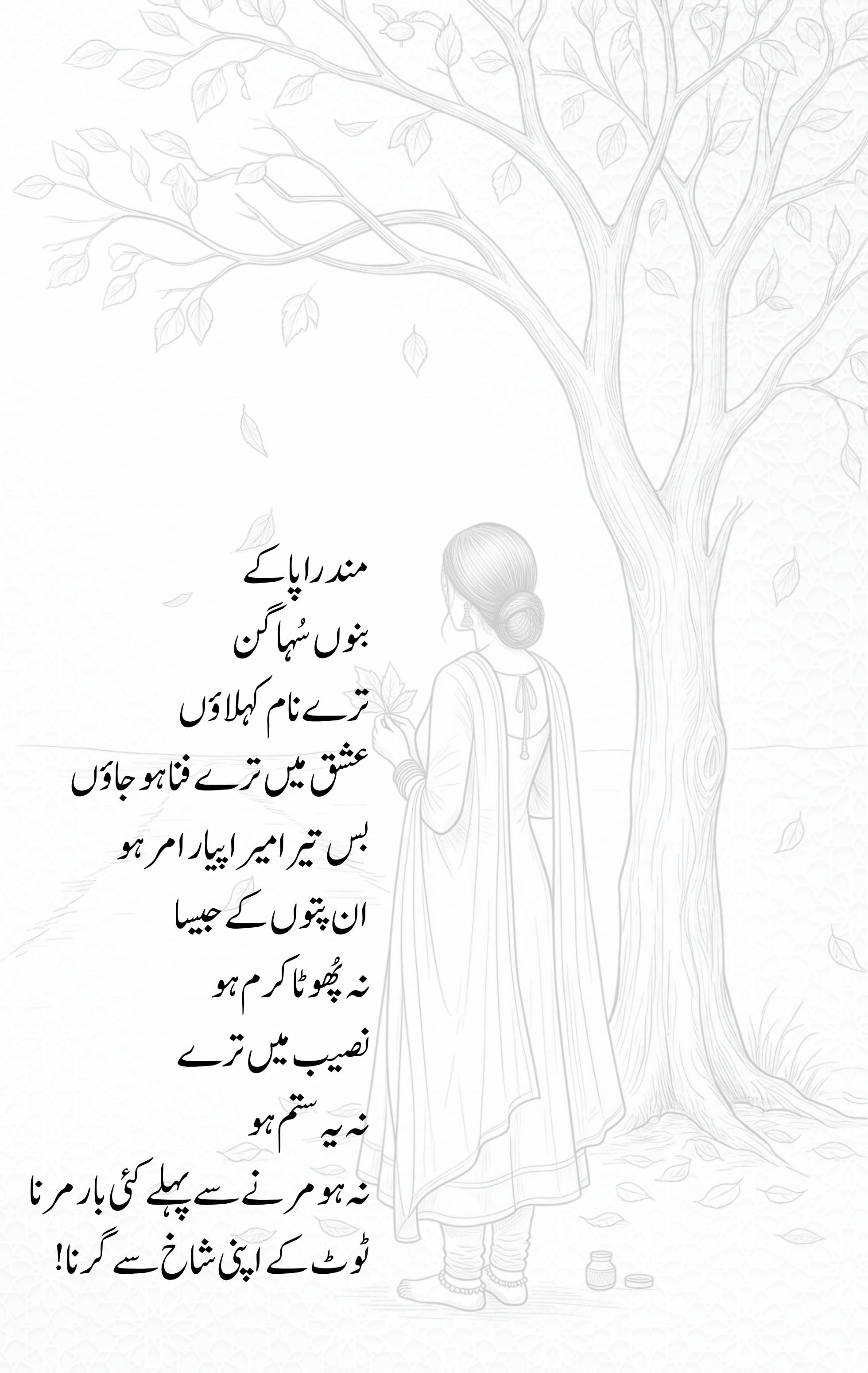

مندرا پا کے
بنوں سُہاگن
ترے نام کہلاؤں
عشق میں ترے فنا ہو جاؤں
بس تیرا میرا پیار امر ہو
ان پتوں کے جیسا
نہ چھُوٹا کرم ہو
نصیب میں ترے
نہ یہ ستم ہو
نہ ہو مرنے سے پہلے کئی بار مرنا
ٹوٹ کے اپنی شاخ سے گرنا!

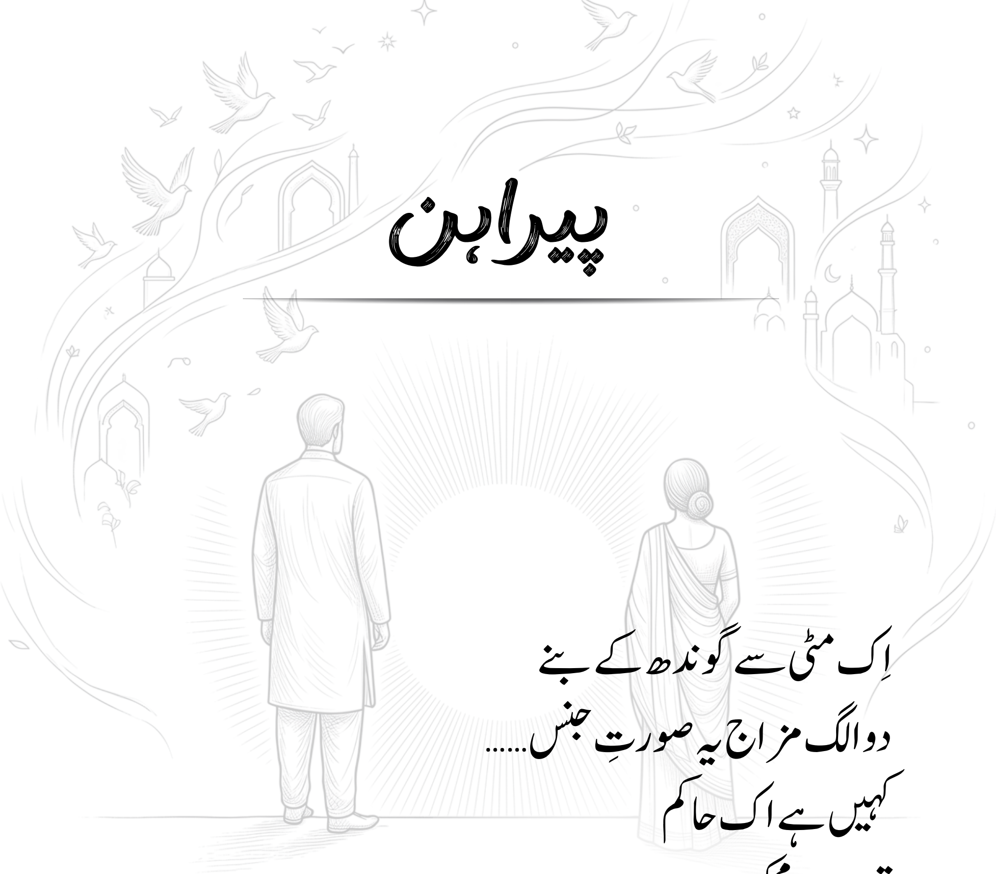

پیراہن

اِک مٹی سے گوندھ کے بنے
دو الگ مزاج یہ صورتِ جنس......
کہیں ہے اک حاکم
تو دوسرا محکوم
کہیں پہ دونوں ہی مظلوم
رنگ و نسل، ذات کی تقسیم
ہے دونوں پہ صادر یہ تکریم
ہے وجود سے ان کے
مکمل کائنات کی فضاء
بھٹک جائے ایک کی ذات تو
بگڑتا ہے پورا معاشرہ

مگر دونوں سے ہے
ایک ہی گلہ
تحقیر ہیں کرتے
اک دوجے کی یہ کیوں بھلا؟
ضروری ہیں اک دوجے کے واسطے جب یہ سدا......
فرمان ہے ربِ کبریا!
”پیراہن“ ہیں یہ اک دوجے کا!
سمجھو ذرا تو بات کو بھلا
ہو جائے ختم
ہر تکرار یہاں
جب ہو گی اَنا کو فنا!

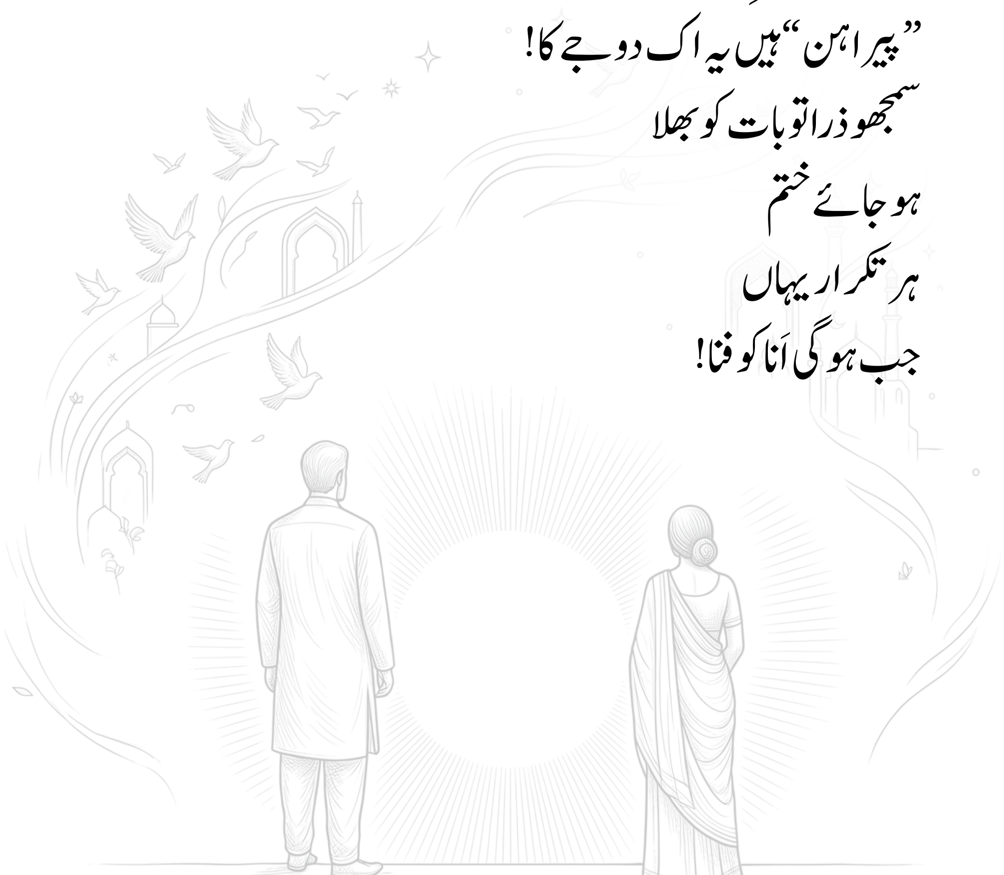

اگر

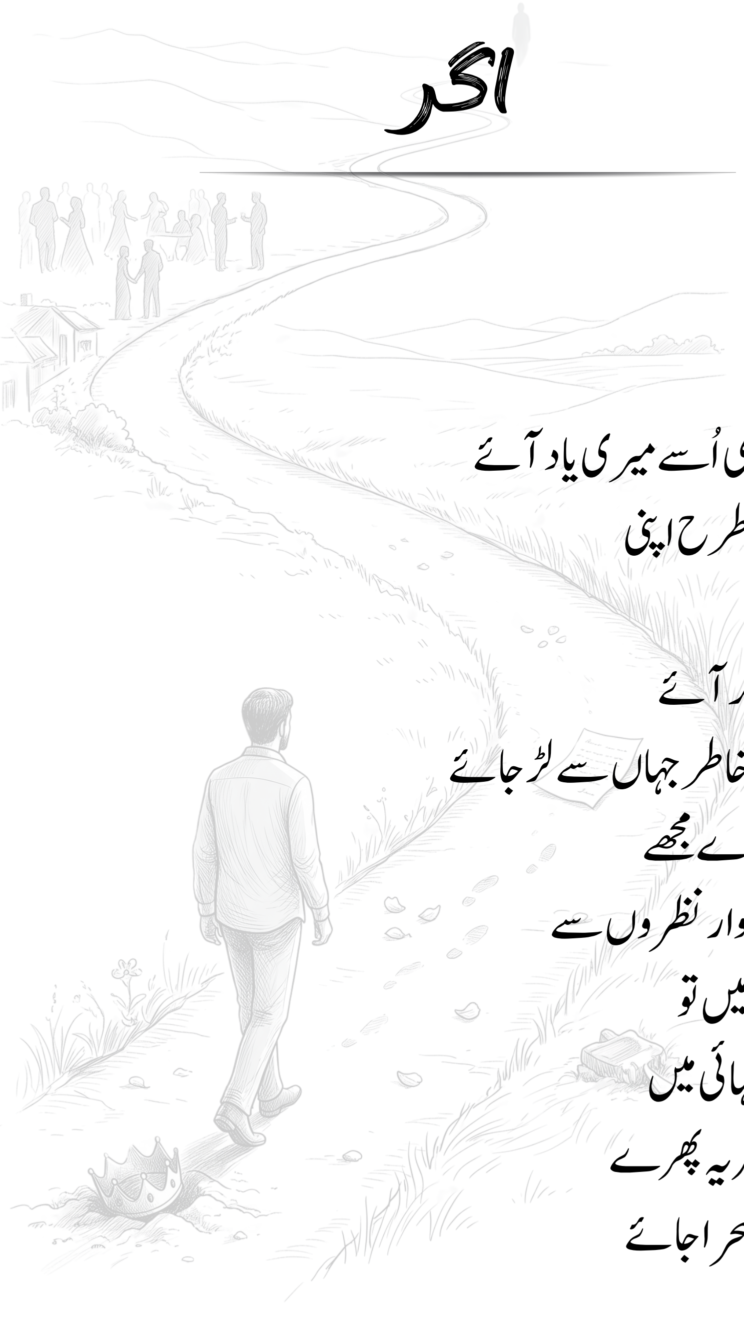

اگر کبھی اُسے میری یاد آئے
میری طرح اپنی
ہر انا
دفن کر آئے
میری خاطر جہاں سے لڑ جائے
ڈھونڈے مجھے
دیوانہ وار نظروں سے
محفل میں تو
کبھی تنہائی میں
قریہ قریہ پھرے
صحرا صحرا جائے

نومبر کی صدا

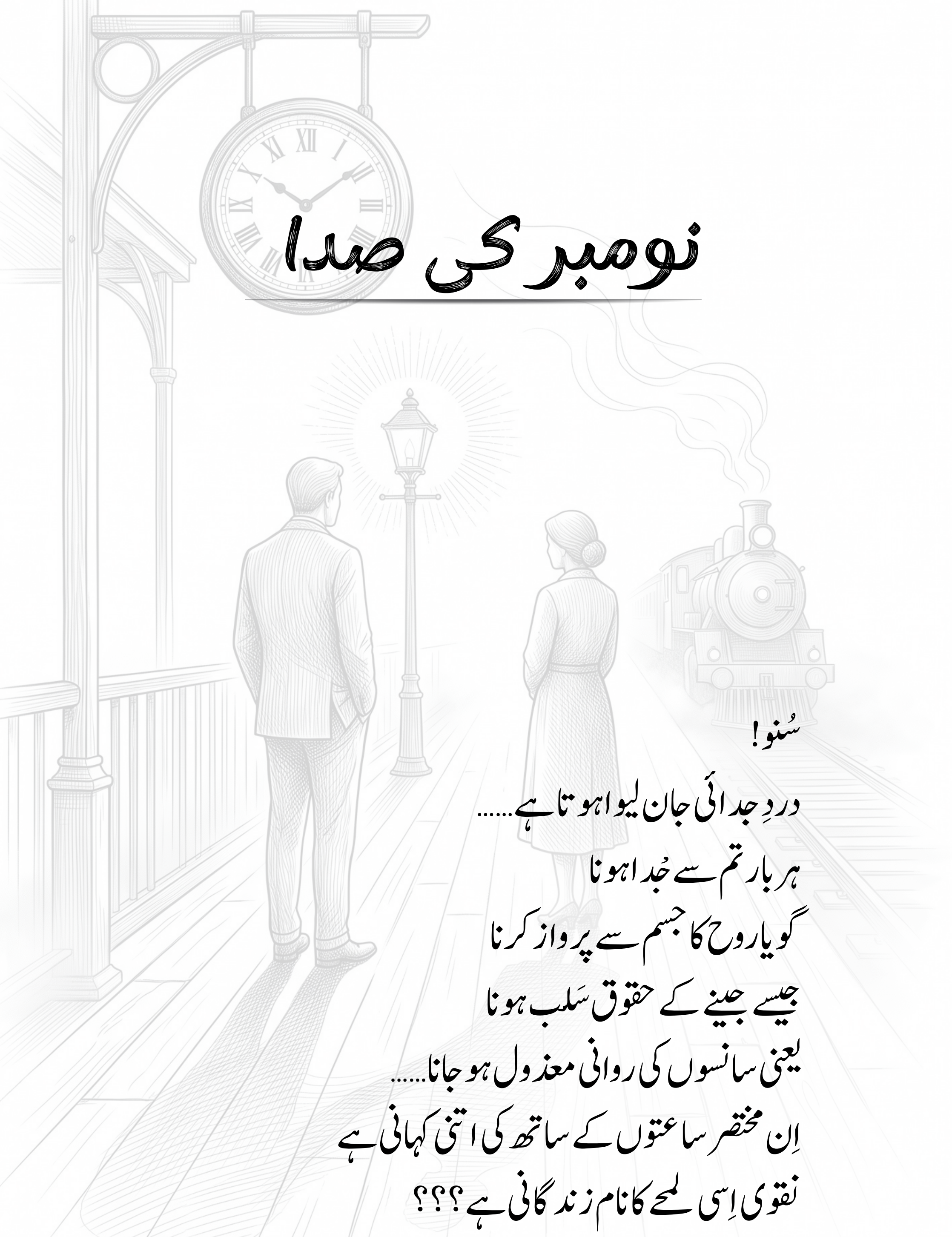

سُنو!

دردِ جدائی جان لیوا ہوتا ہے......
ہر بار تم سے جُدا ہونا
گویا روح کا جسم سے پرواز کرنا
جیسے جینے کے حقوق سَلب ہونا
یعنی سانسوں کی روانی معذول ہو جانا......
اِن مختصر ساعتوں کے ساتھ کی اتنی کہانی ہے
نقوی اِسی لمحے کا نام زندگانی ہے؟؟؟

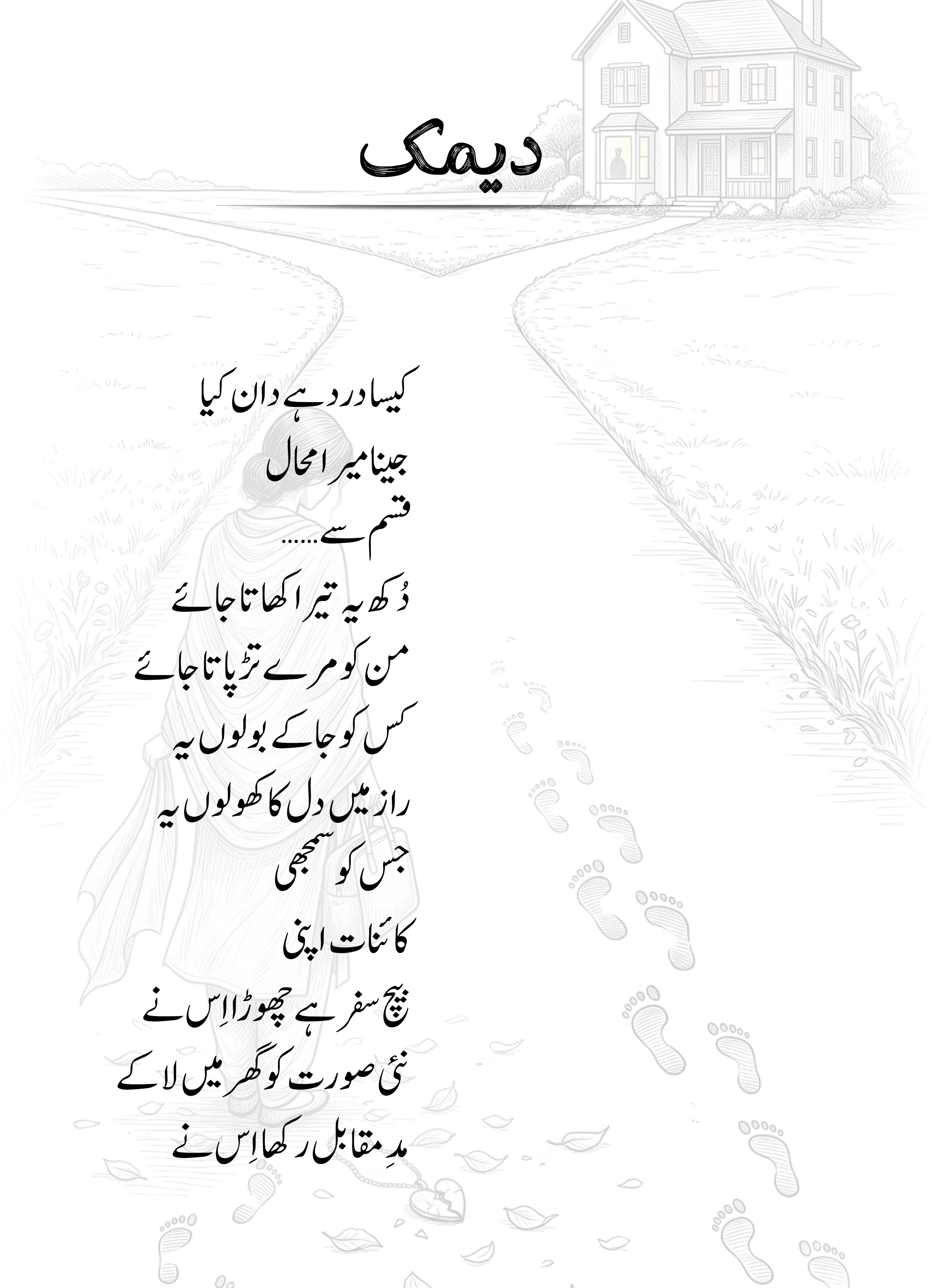

دیمک

کیسا درد ہے دان کیا
جینا میرا محال
قسم سے......
دُکھ یہ تیرا کھاتا جائے
من کو مرے تڑپاتا جائے
کس کو جا کے بولوں یہ
راز میں دل کا کھولوں یہ
جس کو سمجھی
کائنات اپنی
بیچ سفر ہے چھوڑا اِس نے
نئی صورت کو گھر میں لا کے
مدِ مقابل رکھا اِس نے

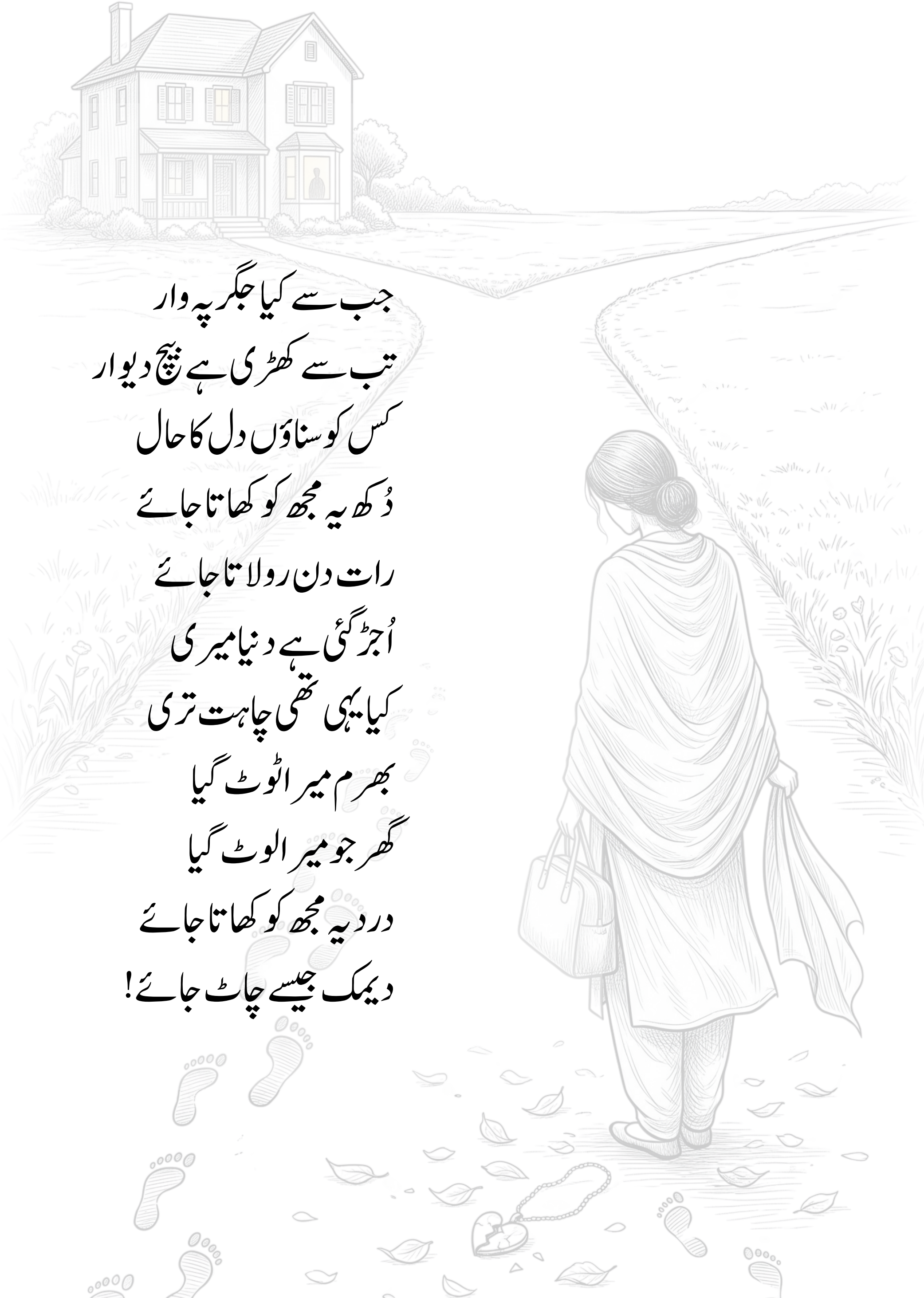

جب سے کیا جگر پہ وار
تب سے کھڑی ہے بیچ دیوار
کس کو سناؤں دل کا حال
دُکھ یہ مجھ کو کھاتا جائے
رات دن رولاتا جائے
اُجڑ گئی ہے دنیا میری
کیا یہی تھی چاہت تری
بھرم میرا ٹوٹ گیا
گھر جو میرا لوٹ گیا
درد یہ مجھ کو کھاتا جائے
دیمک جیسے چاٹ جائے!

Predominant

میرے روحانی پدر کے نام

رکھا شعور کی دنیا میں جب سے میں نے قدم
ہوئی ہوں نامِ گرامی سے تیرے میں مانوس
ترے کلام سے ایسی ہوئی شناسائی
ترے بیان کی تاثیر محو کرتی رہی
جکڑ لیا مرے اعصاب کو ترے فن نے
جو منزلت تجھے حاصل ہوئی زمانے سے
نہ پا سکی ہے وہ معراج اب تلک دنیا
ترے کلام سے ٹپکے ہیں فکر کی بوندیں
نظامِ جنگ تو باغی ہے ملکِ اردو کا
جہانِ علم پہ روشن ہیں تیرے القابات

ولی ہے تُو یا کہ شاعر ہے بزمِ عالم کا؟
ولاء میں ڈوبی ہوئی ہے تری نگاہِ خیال
تری بیاض ہے گویا کہ نبضِ ہستی ہے
ہر ایک لفظ ہے گویا طلسمِ نغمہ گری
جہانِ غیب سے آتے ہیں جو مضامیں تجھے
ہر ایک لفظ پہ الہام کا گماں ہے مجھے
ہر ایک مصرعہ ہے گویا برنگِ لال و گہر
حرف حرف ہے ترا آج بھی متاعِ حیات
مجھے یقین ہے نقوی کہ روزِ آخر تک
رہے گا نام ترا بن کے نقشِ راہِ سخن

آزاد غزلیات

آزاد غزلیات

جینے کا ہُنر ہمیں سکھا دے
ہم کو اپنا تُو آشنا بنا دے

کھو جاتی ہیں رستے میں منزلیں
تقدیر ہماری عشق اپنا بنا دے

آشکار کر کبھی تو اپنی جلوتیں
سینے میں دل یٰسین سا بنا دے

یوسف زماں بنایا گر اُسے تُم نے
تو اِدھر پھر اِک بار زلیخا بنا دے

نہ ہوں تیری رحمت سے نظر انداز
نقوؔی کے گر تُو ایسے باوفا بنا دے

حرفِ عقیدت

آقاؐ کے در پہ جو اِک بار سر جھکائے
وہ رحمتوں سے اپنی جھولی کو بھر کے لائے

مدحت میں جس کی اُترا قرآن رب کا سارا
سو پیروی سے اس کی جیون سنوار اجائے

دشمن پکارتے تھے اِنؐ کو امین اپنا
جس نے عمل سے اپنے تھے دل میں گھر بنائے

ممکن کہاں ہے مجھ سے مدحت رسولِ حقؐ کی
ہر اِک یتیم اِن کے دَر سے سکون پائے

اعزاز حاضری کا بخشا تھا رَب نے نقویؔ
اس کا حبیبؐ مجھ کو اِک بار پھر بُلائے

سلام یا حسینؑ

آنکھوں سے اشکوں کی روانی ہے
زباں سے وِردِ سلام جاری ہے

روح میں ازل سے رکھی ہے جو تڑپ
خاکِ نجف و مدینہ سے رشتہ داری ہے

رقم ہے قلب پہ منظر ہر کوچہ و بازار کا
نِدا اِک ردا کی زنجیروں کی آہ وزاری ہے

لبوں پہ تبسم سجا کر بتایا صغیر کربلا نے
ہو جائے لعین جو اُس پہ تا ابد تبرہ جاری ہے

العجل کا ورد لبوں پہ ہے صدیوں سے جاری
منزلِ عشق کی جانب نقویؔ ہر لحظہ تیاری ہے

تری آنکھوں کا جب اشارا ملا
مری کشتیوں کو کنارا ملا

وہ اِک شخص ہم سے جُدا ہو گیا
وہ اِک شخص جو سب سے پیارا ملا

مری روح تک وہ اُتر سا گیا
مری زندگی کو سہارا ملا

مری ہر خواہش اُس پہ قربان ہے
خوشی یہ مجھے غم تمہارا ملا

ملن کے سبھی راستے بند ہیں
وہ نقویؔ نہ مجھ کو دوبارہ ملا

کٹ جائے گی یہ چاندنی رات تیرے بعد بھی
گزر ہی جائے گی یہ شوخ برسات تیرے بعد بھی

روز چلے گی یُونہی رات دن کی روانی جاناں
آیا کریں گے جیون میں صدمات تیرے بعد بھی

ملیں گی پھر کہاں چاہت کی باکمال سوغاتیں
اِن نظاروں سے کریں گے ملاقات تیرے بعد بھی

برسا کریں گی ازل سے رحمتیں سب پر
آتی رہے گی یہ شبِ برات تیرے بعد بھی

ڈھونڈیں گے ہم رونے کے بہانے نقویؔ
ہوجائیں گے اِس طرح سے حالات تیرے بعد بھی

کاش مجھ کو تیرے ہونے کا سہارا ہوتا
تُو میرے عشق کے دریا کا کنارا ہوتا

مان میری محبت کا نہ رکھ پائے تُم
دل لے کے نہ منہ پہ مارا ہوتا

زندگی میری بھی کتنی حسیں ہو جاتی
عمر بھر کا جو ساتھ تمھارا ہوتا

ہوا کو بھی مہمیز کیا آنچل نے میرے
کاش ان زلفوں کو بھی میں نے سنوارا ہوتا

اجنبی شہر کی گلیوں میں نہ پھرتے نقوی ؔ
گر دل سے وہ اِک شخص ہمارا ہوتا

زندگی مختصر تھی مگر
آزمائش طویل تھی

دل کرتا یہ سوال اکثر
تمنا کیوں ہماری علیل تھی

مانگا تھا سجدوں میں لیکن
دعاؤں کی شدت قلیل تھی

حسرت دید لیے تڑپتے رہے
غیروں پہ عنایت کی سبیل تھی

مرتے نہ تو ہم کیا اور کرتے
دل کی بازی خود کفیل تھی

چاہا تھا جس کو ہم نے خوب صورت لمحات کی طرح
فاصلے اُس سے رہ گئے دن رات کی طرح

تنہائیوں پہ پہرہ ہے اُس دلبر کا
دھیرے سے لبوں پہ آتا ہے جو نغمات کی طرح

جنھیں دیکھ کر چُپ چاپ گزر جاتے ہیں
تھیں نسبتیں اُن سے تعلقات کی طرح

جانتے ہیں ہم کہ وہ بے وفا نہیں مگر پھر بھی
اکثر برستی ہیں نگاہیں برسات کی طرح

زندگی کب دائم رہی کسی کے پاس بھلا
مانگی قربانی منیٰ میں، کبھی کربلا کے مقامات کی طرح

کچھ اس طرح سے نقوی کاٹی ہے عمر ہم نے
ٹھہر جائے وقت جیسے صدمات کی طرح

وہ جو ایک فسانہ بنا ہے
اِس میں اِک زمانہ لگا ہے

کتنے سہانے سمے ٹھہرے
پل دو پل جو آن ملا ہے

بچھڑ کے مجھ سے خوش ہے پھر تا
لگتا وہ بھی تنہا تنہا سا ہے

دُھوپ کڑی میں کیوں ہے پھر تا
حُسن جس کا پھولوں سا ہے

پاس سے اُس کو دیکھا نقویؔ
وہ جو میرا چاند رہا ہے

کچھ سُندر سپنے ہم سجاتے
کاش کہ ہم کو تُم مل جاتے

چار سُو پہرے دل والوں پر
کیسے تم سے ملنے آتے

تیرے شہر کے بھیگے موسم
ہر گھڑی ہیں دل لبھاتے

ہنستے ہنستے چُپ ہو جانا
یہ ادا ہم کو بھی سمجھاتے

دو دلوں کو ملتے دیکھ کے
خواب ہیں میرے بکھرے جاتے

حسرتیں یاس بن کے لپٹیں
فاصلے ہجر کے ہم کیسے مٹاتے

دھوکے میں جی رہے سب کیسے
اپنے حصے کی ہیں سب قید نبھاتے

دیر سے سہی پر رسمِ شروعات ہو جاتی
اے کاش کہ تیری میری ملاقات ہو جاتی

کم کم ہی برستی تو اِس میں کیا غم تھا
خشک سالی میں ایک بار برسات ہو جاتی

گر زندگی نہ ہوتی رسم و رواج کی قید میں
تو ہمارے تمھارے ملن کی واردات ہو جاتی

تا عمر میرے دل میں یہ آرزو ہی رہی
کہ مجھ پہ بھی تیری نظرِ التفات ہو جاتی

جس رات لوگ اُجالوں کو ترستے رہے نقویؔ
کیا خبر ہمارے جلنے سے روشن وہ رات ہو جاتی

رات گئے اِک محفل سجی تھی
سُر و سُخن کی تان لگی تھی

جس پہ تھے کبھی چلتے پھرتے
جیون کی وہ شاید گھڑی تھی

تھا پھولوں جیسا اُس کا لہجہ
پیار کی وہ ایسی جھڑی تھی

جب تھے بچھڑے ہم اے لوگو
کیسی چُپ سی وہ گھڑی تھی

بھولا نہیں وہ منظر اب تک
چاند سے نقویؔ جب ملی تھی!

جو تھا آشنا وہ بیگانہ ہوا
اسے دیکھے ایک زمانہ ہوا

تھی مانوس جس سے مری زندگی
وہ شہر جنوں بھی پرانا ہوا

لگایا ہے دل جا کے پردیس میں
بہت دور تیرا ٹھکانہ ہُوا

پرندے سرِ شام گھر آتے ہیں
ترے بن نہ آنگن سہانا ہوا

نہ پوچھا پلٹ کر کبھی حالِ دل
یہ اے دوست! کیا دوستانہ ہوا

اُداسی ہے پھیلی مرے چار سو
خوشی کا نہ کوئی بہانہ ہُوا

سخن گستری مانگے خونِ جگر
غزل کہتے نقوی زمانہ ہوا

شبِ وصل تیری طلب میں جو بھی گزر گیا وہ، ملا نہیں
غمِ آرزو ترا شکریہ، یہاں کچھ کسی کو، ملا نہیں

یہ جو چار دن کی تھی زندگی، سو بسر ہوئی تری چاہ میں
جو ملا نہیں وہ بچھڑ گیا جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں

مرا ہم سفر مرا غم شناس وفا کی راہ میں کھو گیا
اسے ڈھونڈنے جو گیا کبھی سرِ رہ گزر وہ ملا نہیں

وہ جدائیوں کے ہیں سلسلے کہ مری بیاضِ حیات سے
وہ جو اک وصال کا باب تھا کہیں کھو گیا وہ ملا نہیں

دلِ ناز بزمِ جہان میں نہ ملا جو واقفِ حال تھا
مجھے نقوی رب سے گلہ نہیں، جسے چاہا مجھ کو ملا نہیں

درد سانچے میں جس نے ڈھالا ہے
جس نے ہر اِک بلا کو ٹالا ہے

دل سنبھالے نہیں سنبھلتا تھا
اُس نے کیا خوب دل سنبھالا ہے

چین کس طرح مل سکے گا تمھیں
تم نے خود خواہشوں کو پالا ہے

اب میں اُس کی ہوں جو نہیں میرا
دل کا ہر فیصلہ نرالا ہے

جو رگِ جاں میں کل تلک تھا مکیں
اب ہَتھیلی کا میری چھالا ہے

جس کو کہتے ہیں سب عدو میرا
وہ مری آستیں کا پالا ہے

کیسی جمہوریت ہے یہ آخر
دیکھو ہر اک زباں پہ تالا ہے

جو بضد تھے مجھے ہرانے پر
ان کا رُسوائی سے پالا ہے

سچ تو اب سرِ نگوں ہُوا نقویؔ
جھوٹ کا آج بول بالا ہے

یہ بے رخی ہے کیسی تمھاری نگاہ میں
شاید کہیں کمی تھی، ہماری ہی چاہ میں

لمحے وہ سب حسیں تھے، بہت دل گداز تھے
گزرے جو خواب بن کے تمھاری پناہ میں

ایسا بھی کیا کہ تم کو محبت نہ ہو سکی
ایسا بھی کیا کہ ہم نہ جچے ہیں نگاہ میں

ہوتا سخنوری سے ہے معبود سب اثر
جس آدمی کا دل ہی نہ تڑپا ہو آہ میں

کھلتے ہیں مر کے ہم پہ سبھی رازِ زندگی
جینا تو ہے اک پڑاؤ ہے منزل کی راہ میں

نقویؔ کا انتساب ہے اس شخصیت کے نام
رکھا ہے جس نے دل کا صحیفہ پناہ میں

اپنی ہر اک ادا میں بہت دل نشین تھا
وہ قتل کر کے میرے ہی دل کا مکین تھا

یہ تھا فریبِ حسن یا حسنِ فریب تھا
ہر سنگِ رہ گزر جو ملا وہ حسین تھا

روشن تھے میری آنکھوں میں ہر سُو چراغِ شوق
ہستی سَراب تھی، ترا ملنا یقین تھا

فطرت میں بے وفائی تھی لیکن مرے لئے
خوشبو بکھیرتا ہوا لہجہ امین تھا

سچا ہو عشق جیسے زلیخا کا عشق تھا
چہرہ ہو جیسے چہرہ یوسف حسین تھا

نقوی جو مسکراتا رہا دل کو توڑ کے
اس کے ہر ایک مکر پہ صد آفرین تھا

آزاد قطعات

آزاد قطعات

تالیوں کی گونج تھی سُریلی آواز پر
رقصاں تھی میری روح راز و نیاز پر
باطن بھی میرا کرب اُگلتا رہا مگر
مگن رہی میں مست تھی وِلا کے ساز پر

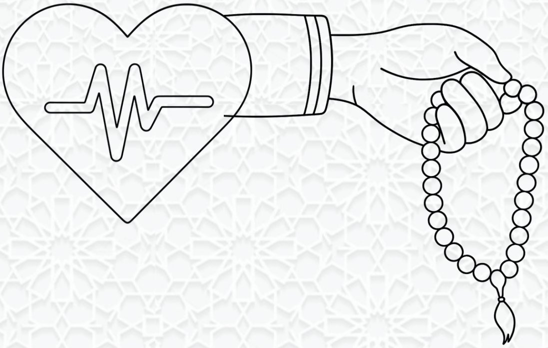

طلب میں گزرا ہر لمحہ ہماری عمد گی شمار کرنا
عاشقی کو اپنی بارگاہ میں بندگی شمار کرنا
تسبیح کبھی مکمل نہیں ہوتی شمار کیے بغیر
نقویؔ پڑھے وہ تُم کو تو زندگی شمار کرنا

لمحے بے قرار سے رہے
بڑے بے اعتبار ہی رہے
تُم سے ملے تو یہ جانا
تم کیسے وفادار رہے

جب لوگ بہت ستاتے ہیں
اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں
تب یاد کر کے تیری شفقت
ہم اپنا دل بہلاتے ہیں

داغ دل کے سب کو دکھائے نہیں جاتے

ہمراز سے لیکن یہ چھپائے نہیں جاتے

کیسے عیاں کرے درد کا منظر نقویؔ

ستم محبت کے ہم سے بُھلائے نہیں جاتے

کوئی خوشی مجھے راس نہیں ہے
تُو جو میرے پاس نہیں ہے
تجھے گنوا کے اب جاناں
دل کی کوئی آس نہیں ہے

اتنا احسان کیا کرو مجھ پہ
خیال رکھا کرو تُم میری جان کا
تمھارے پاس ہے یہ امانت
سرمایا ہے یہ میرا کُل جہان کا

سدا مری نگاہیں منتظر رہیں تیری
دل نے میرے یاد میں ماتم کیا
تجھ سے بچھڑ کے میں سدا لہو روئی
لگتا ہے پھر بھی جی کو سوگوار کم کیا

بے ربط سی راہوں پہ چھوڑ کے تنہا
کیوں خامشی کی اُوڑھ کر گہری چادر
بے سمت مسافتوں کو مسافت کا پتہ دینے
کہاں بسے ہو تُم ہر اک ایک کو رُلا کر ادھر

جہاں میں سب تھا سب دیکھا کیے مگر
تلاش میں ہر دم اِک سچے سائیں کی رہی
جتنے سہارے ملے ہم کو اب تک نقویؔ
طلب میں ہر دم اِک سچے سائیں کی رہی!

آزاد اشعار

آزاد اشعار

ظلم ڈھائے زمانے نے مُرسلؐ کے گھرانے پہ جو
لکھ کر اُن کو روئے لہو سدا میرے قرطاس و قلم

بارشوں کے موسم بھی عجیب ہوتے ہیں
خوشبو بن کے درد دیے جاتے ہیں

سدا خوشبو کا پہرہ تیرے آنگن پر رہے
غم آنا بھی بُھول جائیں تیری چوکھٹ سے گزرنا

چراغ کی لَو بجھنے تک اے ہم سفر
مجھے صرف ساتھ تیرا چاہیے

تھا ہجر کا سفر بہت سخت مگر
تیرے ہجر نے مجھ کو چلنا سکھا دیا

دل کی تڑپ دل ہی جانے
بے درد دل اِس کی خبر کیا جانے

اندازِ اُلفت تو دیکھو جاناں
جس کو چاہیں سمجھ نہ پائیں

ماں تیرے دور جانے کا غم کیا بتاؤں
تیری جُدائی سے ٹوٹے ستم کیسے کیا بتاؤں

اِک مُدّت سے ہے میرے دل میں آرزو
میرے آنگن میں بھی آ کے بہار ٹھہرے

راہیں سدا متلاشی ہیں دو ہم سفروں کی
نقویؔ کی زندگی کی طرح کم کم ہی پیاس بجھی

میرے وجود سے شاید کہ تھی تری تکمیل
جو مانگا مجھ سے کبھی تو مجھ کو مانگا

تری یاد بھی عجب درد ہے

جب چھڑتی ہے آہ نکلتی ہے

کچھ اِس طرح سے ظلم ہوئے اہلِ سادات پہ
چودہ سو سال بعد بھی آہ و بکا کرتی ہے کائنات

ویرانی کا یہ عالم ہے نقویؔ
سائیں سائیں کی آواز آتی ہے

ساری شکایتیں تُم سے ہی سہی
میری اُلفت کا محور بھی تُم ہو

محبت سچی ہو گر مثلِ زلیخا
یوسف کو ملنے سے کون روکے گا

ہم نے محبت کا الگ ہی جہاں دیکھا
باطن کی آنکھوں میں جب عیاں دیکھا

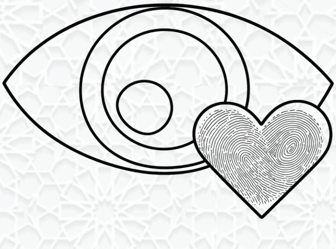

طاری جس دل پہ ہو جائے ماہِ صیام
عید کی خوشیاں پھر کیا منائے گا وہ

ہے سرشتِ انساں میں شامل حسینیتؑ
حُبِ حُسینؑ محتاجِ اعتقاد بالکل نہیں

خِرد کو اپنی کوئی جب سنوار لیتا ہے
وہ اپنی فکر کو اوجِ کمال دیتا ہے

یہ ہجر و شبِ وصال یہ ایامِ جُدائی
جاناں! خوب ستاتی ہیں دسمبر میں یادیں تمھاری

زیست اپنی گزاری ہے ایسے
مُفلس کے گھر آئی عید جیسے

رہی ہے جن کی شناسائی ہم سے کبھی

حسرت بن گئی اب تو اُن کے دید کی گھڑی

مدت سے جس کا نام تھا دل پر لکھا ہوا
دستک دیے بغیر مرے گھر میں آ گیا